۵

اجتہاد

ایک تعارف

شریعہ اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

سلسلہ مطالعہ اسلامی قانون (۵)

اجتہاد۔ ایک تعارف

شہزاد اقبال شام

شریعہ اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

اجتہاد۔ایک تعارف

تالیف: ڈاکٹر شہزاد اقبال شام

نظر ثانی و راہ نمائی:

i- جسٹس ڈاکٹر فدا محمد خان

ii- پروفیسر ڈاکٹر احمد حسن (مرحوم)

iii- پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازی

نگران مطالعہ اسلامی قانون کورس: راجہ محمد منیر

نگران منشورات: ڈاکٹر اکرام الحق یٰسین

ناشر: شریعہ اکیڈمی،
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

مطبع: ادارہ تحقیقات اسلامی (پریس)
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

طبع: ہفتم

سال اشاعت: دسمبر ۲۰۰۷ء

قیمت:

فہرست مضامین

۱۔ تمہید ۱
۲۔ اجتہاد کی تعریف ۱
۳۔ اجتہاد کی مشروعیت ۴
۴۔ اجتہاد کے ارکان ۴
(۱) اجتہاد ۵
(۲) مجتہد اور اس کی اقسام ۵
الف۔ مجتہد مطلق مستقل ۵
ب۔ مجتہد مطلق منتسب ۶
ج۔ مجتہد ترجیح ۷
د۔ مجتہد تخریج ۷
و۔ مجتہد فتاویٰ ۸
ایک وضاحت ۸
(۳) مجتہد فیہ (مسئلہ زیر بحث یا اجتہادی مسئلہ) ۹
(۴) الادلۃ (دلائل) ۱۲
۵۔ اجتہاد کی قسمیں ۱۴
(۱) طبعی اعتبار سے ۱۴
الف۔ اجتہاد تام ۱۴
ب۔ اجتہاد ناقص ۱۴
(۲) مجتہد کے اعتبار سے ۱۴
الف۔ اجتہاد مطلق ۱۴
ب۔ اجتہاد مقید ۱۵
(۳) موضوع کے اعتبار سے ۱۵
الف۔ تمام ابواب فقہ میں اجتہاد ۱۵

ب - مخصوص ابواب فقہ میں اجتہاد	۱۵
(۴) حکم تکلیفی کے اعتبار سے	۱۵
الف - واجب	۱۶
ب - کفایہ	۱۶
ج - مندوب	۱۶
د - مکروہ	۱۷
و - حرام	۱۷
۶ - مجتہد کے لئے شرائط	۱۷
(۱) عربی زبان کا علم	۱۸
(۲) قرآنی علوم کا علم	۱۹
(۳) سنت کا علم	۲۰
(۴) اصول فقہ کا علم	۲۰
(۵) اجماعی معاملات کا علم	۲۱
(۶) شریعت کے مقاصد کا علم	۲۱
الف - ضروریات	۲۲
ب - حاجات	۲۲
ج - تحسینیات	۲۲
۷ - کیا اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے؟	۲۳
۸ - مزید مطالعہ کے لئے	۲۸
۹ - حواشی و حوالہ جات	۲۸
۱۰ - مصادر و مراجع	۲۹

پیش لفظ

اسلام کی طویل فکری اور عملی تاریخ میں مسلم اہل علم و دانش کو گوناگوں چیلنجوں اور مبارزتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ دور تابعین میں وضع حدیث اور قضاء و قدر کے بارہ میں شبہات سے لے کر دور جدید کے مغربی علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کے استیلاء تک کا یہ سارا زمانہ ایک مسلسل فکری جہاد اور علمی دفاع سے عبارت ہے۔ اس پورے دور میں اہل علم نے نہ صرف حالات زمانہ کو پیش نظر رکھا' بلکہ ہر نئی فکری مبارزت کے جواب میں اکثر و بیشتر انہی ہتھیاروں اور وسائل سے کام لیا جن سے کام لے کر اسلام پر اعتراضات کئے گئے۔ اس کی کامیاب ترین مثال یونانی علوم و فنون سے مسلمانوں کا معاملہ ہے۔ ابتدائی سو' سوا سو سال کے عبوری دور کے بعد بھی مسلمان مفکرین نے یونانی منطق اور فلسفہ سے اسلامی عقائد کی تفسیر و توضیع کی اور اسلامی تعلیمات کی تبیین و تفہیم کا وہ کام لینا شروع کر دیا تھا جس کے عجیب و غریب نمونے امام غزالی' امام رازی' امام شاطبی اور شاہ ولی اللہ دہلوی وغیرہ کی تحریروں میں ملتے ہیں۔

دور جدید میں اس کام کی اہمیت اور پیچیدگی پہلے سے بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ پہلے مبارزت صرف ایک میدان میں تھی' یعنی فلسفہ' منطق اور عقلیات کا میدان۔ اب یہ مبارزت زندگی کے ہر میدان میں ہے۔ فلسفہ اور انسانی علوم سے لے کر روزمرہ زندگی کے مظاہر تک' آج ہر قدم پر دنیائے اسلام کو بیرونی اور خارجی قوتوں سے قدم قدم پر نبرد آزما ہونا پڑ رہا ہے۔ ان میں سے بعض مقامات میں یہ نبرد آزمائی نسبتاً" زیادہ اہم اور فوری نوعیت کی ہے اور حالات کا تقاضا ہے کہ ملت مسلمہ ان معاملات کے بارہ میں فوری طور پر اپنے کو صف آراء کرے اور اپنے وسائل و اسباب کو کماحقہ استعمال کرے۔ ان اہم اور فوری امور میں ایک انتہائی اہم مسئلہ قانونی' دستوری اور عدالتی معاملات کا ہے۔ اس میدان میں مغربی تصورات و افکار کے تسلط اور غلبہ نے ایک بڑے طبقہ کے ذہن کو متاثر بلکہ ماؤف کر دیا ہے کہ یہ طبقہ اسلام کے تصورات و نظریات کو سمجھنے میں اس طرح مشکل محسوس کرتا ہے جس طرح کوئی بھی مغربی دانشور۔ تاہم یہ بات بڑی خوش آئند ہے کہ دنیائے اسلام میں اس صورت حال کے خلاف ایک شدید رد عمل اٹھتا نظر آرہا ہے جو اگر مثبت اور تعمیری خطوط پر آگے بڑھا تو ایک بڑی خوشگوار تبدیلی کا ذریعہ بنے گا۔

اسی رد عمل کا مظہر وہ دلی آرزو ہے جو اسلام کے تصور عدل و احسان پر مبنی معاشرہ کے قیام اور اسلامی تصورات کے عملی نفاذ عالم اسلام کے گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ میں اٹھتی نظر آتی ہے۔ اسی آرزو کی تکمیل کے انتظار

میں آج لاکھوں گردنیں کٹ رہی ہیں، لاکھوں گھر اجڑ رہے ہیں، کتنے ہیں جو گھر سے بے گھر ہو رہے ہیں اور کروڑوں دل ہیں جو اس دیرینہ خواب کی تعبیر کی تمنا میں دھڑک رہے ہیں۔ لیکن اس خواب کی تعبیر اس قدر آسان نہیں ہے جتنا ہم میں سے بعض حضرات سمجھتے ہیں۔ اس خواب کی تعبیر ایک طویل سفر کی متقاضی ہے۔ ایسا طویل سفر جس کی پہلی منزل، ایک فکری تبدیلی، ایک تعلیمی تحریک اور ایک ذہنی انقلاب سے عبارت ہے۔ جب تک اسلام کے تصورات و تعلیمات پر گہرا ایمان رکھنے والی، دور جدید میں ان کو روبہ عمل لانے کے جذبہ سے سرشار اور اس راہ کی مشکلات سے کلی طور پر آگاہی اور ادراک رکھنے والی نسل وجود میں نہیں آئے گی اس وقت تک اس خواب کو حقیقت کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا۔

اس پہلی منزل کا پہلا قدم اسلامی فقہ اور قانون کی کماحقہ تعلیم و تدریس اور اس سلسلہ میں ضروری مردان کار کی تیاری کا کام ہے۔ ایسے مردان کار جو اسلامی فقہ کو اس کے بنیادی مآخذ و مصادر سے براہ راست سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہوں، جن کو رائج الوقت قانونی، دستوری، اور عدالتی تصورات سے گہری لیکن ناقدانہ واقفیت حاصل ہو، جو شریعت کی حقانیت اور صلاحیت پر غیر متزلزل ایمان رکھتے ہوں اور دور جدید میں اس کی تعلیمات کو روبہ عمل لانے کا مومنانہ جذبہ رکھتے ہوں۔ ایسے افراد کی تیاری وقت کی وہ اہم ضرورت ہے جس کو ہماری ملی ترجیحات میں ابھی تک وہ جگہ حاصل نہیں ہوئی جو اس کو ہونی چاہیے تھی۔

بلاشبہ ہمارے بہت سے دینی اداروں اور اسلامی تعلیم کے مراکز میں فقہ کی تدریس و تحقیق کا کام ہو رہا ہے اور فقہی موضوعات پر کتابیں بھی شائع ہوتی رہتی ہیں لیکن یہ سب کچھ قطعاً" ناکافی ہے۔ اس تعلیم و تحقیق کا ہمارے قانونی نظام اور دستوری اداروں پر اثر نہ ہونے کے برابر ہے۔ وطن عزیز میں نفاذ اسلام کے کام میں پیش رفت نہ ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے۔

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کی شریعہ اکیڈمی اسی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے قائم کی گئی۔ اکیڈمی نے وکلاء اور ارکان عدلیہ کے تربیتی پروگراموں کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی ایک شعبہ قائم کیا جس کے تحت اردو اور انگریزی میں مختلف موضوعات پر جدید انداز سے اسلامی قوانین کے مختلف پہلوؤں پر کتابوں کی اشاعت کے ایک طویل المیعاد منصوبے کا آغاز کیا گیا ہے۔ تصنیف و تحقیق اور نشر و اشاعت کے اس طویل منصوبہ کے ساتھ ساتھ اکیڈمی نے آج سے چند سال قبل ایک شعبہ ایسا بھی قائم کیا جہاں فاصلاتی تعلیم کے اصولوں کے تحت فقہ اسلامی کی تعلیم کا بندوبست کیا گیا ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہماری یہ متواضعانہ پیش کش مقبول ہوئی اور اللہ رب العزت نے اپنی بے پایاں نعمت اور لامتناہی فضل سے ہماری اس کاوش کو کامیابی سے نوازا اور ہم تین سال کی مختصر مدت میں اس کورس کے ذریعہ پاکستان اور بیرون پاکستان کے کوئی ڈیڑھ ہزار افراد تک اسلامی قانون اور فقہ کی ایک مربوط اور جامع تصویر پہنچانے میں کامیاب ہوئے۔

زیر نظر کورس وکلاء، طلبہ قانون اور عام تعلیم یافتہ حضرات کے لئے ہے۔ اس کا دورانیہ ایک سال ہے اور یہ چوبیس اسباق یا یونٹوں پر مشتمل ہے جن میں فقہ اسلامی کے مختلف پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے۔ ہر سبق میں تدریسی مواد کے ساتھ ساتھ مزید مطالعہ کے لئے کتابوں کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔

مطالعہ قانون اسلامی کے اس ابتدائی کورس کے بعد چار دوسرے کورس بھی تیار کرائے جارہے ہیں جو فقہ اسلامی کے مختلف موضوعات پر ہیں۔ ہمارے ان "ایڈوانس کورسز" کی تیاری کا کام جاری ہے اور جلد ہی ہم ان کو بھی شروع کردیں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔

زیر نظر یونٹ پر ایک طائرانہ نظر

موضوع زیر بحث قانون اور فقہ اسلامی کے طالب علموں کے لئے نیا نہیں ہے۔ ہر وہ شخص جس نے اسلامیات یا قانون کی تعلیم حاصل کی ہو وہ اجتہاد کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور جانتا ہے۔ عام تعلیم یافتہ افراد بھی اس کے بارہ میں بالکل لاعلم نہیں ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے سطحی علم رکھنے والے بعض حضرات نے چند ایسی فکری الجھنیں پیدا کر رکھی ہیں جن کو دور کرنا بہت ضروری ہے۔ اجتہاد کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن و سنت کے بعد قانون سازی کا یہ اولین ماخذ ہے جس کی نشان دہی خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ ظاہر بات ہے کہ جو چیز جتنی اہم ہو گی اس کے لئے پابندیاں بھی نسبتاً اتنی ہی زیادہ ہوں گی۔ لیکن حیرت ہے کہ بعض لوگوں کے ذہنوں میں اجتہاد کے بارہ میں یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے کہ یہ محض آزادانہ غور و فکر کا دوسرا نام ہے۔

اس الجھن کو سامنے رکھتے ہوئے شریعہ اکیڈمی نے کوشش کی ہے کہ اجتہاد کا ایک مختصر، جامع اور بھرپور تعارف اپنے طلباء اور دیگر قارئین کے سامنے پیش کرے۔ اس یونٹ میں فقہ اسلامی کے بنیادی مآخذ کی مدد سے اجتہاد کی مختلف تعریفیں پیش کر کے ان تعریفات کا ایک تجزیاتی مطالعہ کیا گیا ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اجتہاد کی تکوین کن عناصر سے مل کر ہوتی ہے۔ ان عناصر کا مختصر اور جامع تعارف بھی پیش کیا گیا ہے۔ یونٹ کے اگلے حصے میں اجتہاد کی ضروری اقسام پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان شرائط کا ذکر بھی کیا گیا ہے جن کا کسی مجتہد میں پایا جانا

ضمیمہ ہے۔ یہ یونٹ کے آخری حصے میں ایک اہم عنوان پر بحث کی گئی ہے جس میں آج کل کے دور میں اجتہاد کے اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

فقہ اسلامی میں اجتہاد ہی وہ ذریعہ ہے جس کی مدد سے قرآن و سنت کے احکام کی تشریح و تعبیر میں لچک کا سراغ ملتا ہے۔ یہی وہ واسطہ ہے جو قرآن و سنت کے بنیادی احکام کے تسلسل کو باقی رکھتے ہوئے بدلتے حالات اور تبدیل شدہ زمانے میں عامتہ الناس کو درپیش مسائل سے عہدہ برآ ہوتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مجتہد اپنے منصب کے اعتبار سے ایک طرف تو اللہ کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے اور دوسری طرف وہ مسلمانوں کے سامنے نہ صرف جوابدہ بلکہ ایک اعتبار سے ان کے دین و ایمان کا امین اور محافظ ہوتا ہے۔

عصر جدید کے متنوع مسائل کے تناظر میں دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ دو تین صدیوں میں طبعی علوم میں بے پناہ انکشافات کے باعث جہاں انسانی زندگی ہزارہا خدائی نعمتوں سے بہرہ مند ہوئی ہے وہیں یہ نعمتیں (بعض انسانی کمزوریوں کے باعث) اپنے جلو میں مسائل کا ایک ہجوم بھی اپنے ساتھ لائی ہیں۔ یہی صدیاں مسلمانوں کے سیاسی زوال، عسکری شکست اور فکری انحطاط کی صدیاں تھیں۔ انہی دو تین سو سالوں میں مسلمانوں کے پاس خود اپنے علاقوں میں بھی سیاسی اقتدار نہ تھا جس کی وجہ سے ان کے فکری ادارے بھی کمزور ہوتے چلے گئے۔ اب جب سیاسی آزادی کے بعد ان اداروں کے احیاء کا عمل شروع ہوا ہے تو ان کے سامنے مسائل کا ہجوم کھڑا نظر آتا ہے۔ اس پس منظر میں اجتہاد کی اہمیت پہلے سے کئی گنا ہو جاتی ہے۔

ہمیں امید ہے کہ ہمارے طلباء بالخصوص اور ہمارے دیگر قارئین بالعموم اس یونٹ کو مفید پائیں گے اور ہمیں اپنی آراء و تجاویز سے بھی نوازیں گے تاکہ ہم اس کی آئندہ طباعت کو خوب تر بنا سکیں۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی
ڈائریکٹر جنرل شریعہ اکیڈمی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

۵ / رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ
۱۵ / جنوری ۱۹۹۷ء

تمہید

علوم اسلامیہ میں عام طور پر، اور اسلامی قانون میں خاص طور پر، اجتہاد اصحاب فکر کی بحثوں کا موضوع رہا ہے۔ قانون دان حلقوں میں جب بھی اسلام کے دستوری و قانونی نظام کا ذکر آتا ہے تو لازمی ہے کہ وہاں اجتہاد بھی زیر بحث آئے۔ بدقسمتی سے اسلامی علوم اور اسلامی قانون کا مکمل اور ہمہ پہلو تعارف نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے تعلیم یافتہ افراد بھی اجتہاد سے مراد آزادانہ غور و فکر لیتے ہیں جو درست نہیں ہے۔ بعض اصحاب تو اس سے بھی آگے بڑھ کر بے لگام خواہشات کو اسلام سے سند جواز عطا کرنے کی غرض سے ہر الٹے سیدھے فکری انتشار، اور ذہنی الجھاؤ کو اجتہاد کا نام دیتے ہیں۔ اس مضمون میں ہمارے پیش نظر وہ لوگ ہیں جو اس بارے میں سمجھنے کی خواہش رکھتے ہیں، رہے دیگر حضرات تو وہ ہمارے پیش نظر نہیں ہیں۔

اس باب میں ہماری یہ کوشش ہو گی کہ اجتہاد کا تعارف اس طرح کرائیں کہ اس کے لازمی عناصر اور ہر ایک کی تعریف، اجتہاد کی اقسام اور مجتہد کے لئے ضروری شرائط سامنے آجائیں۔ تاکہ ہر صاحب فکر یہ جان سکے کہ اجتہاد کیا ہے؟ مختصر بحث اجتہاد کے دروازے کے بند یا کھلا ہونے پر بھی کی گئی ہے۔ اور آخر میں حسب معمول مزید مطالعہ کے لئے بعض کتب کی نشاندہی کی گئی ہے۔

اجتہاد کی تعریف

لغوی معنوں میں لفظ اجتہاد باب افتعال کے وزن پر عربی لفظ جُہد سے مشتق ہے۔ جُہد کے معنی کوشش کرنا ہے۔ اس سہ حرفی لفظ کے اشتقاق سے حاصل ہونے والے کئی اور الفاظ بھی اردو میں مروج ہیں، مثلاً مجاہد وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اسلام کے غلبہ کی کوشش کرتا ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں اپنے نفس کی خواہشات کے خلاف روحانی اور اخلاقی تربیت کی کوشش کرنے کو مجاہدہ کہتے ہیں۔ اور جہاد تو بہت معروف اور عام فہم لفظ ہے جس کے معنی اسلام کے غلبہ کے لئے کوشش اور دشمن اسلام قوتوں کے خلاف جدوجہد کرنا ہے۔ جدوجہد کے معنی کوشش کرنا ہیں۔ یہ لفظ بھی جہد سے نکلا ہے۔

ان مثالوں میں ہم نے دیکھا کہ تمام الفاظ میں کوشش کرنے کا مفہوم لازماً" پایا جاتا ہے۔

جُہد جب عربی زبان کے باب افتعال کے وزن پر آتا ہے تو اس کے اصلی معانی کے ساتھ چند ایسے مفہوم بھی شامل ہو جاتے ہیں جو باب افتعال کی خصوصیات ہوتے ہیں۔ جیسے اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کے

وزن پر آنے والا لفظ اپنے فعل کی مطابقت میں ہوتا ہے- لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اجتہاد اس کوشش کو کہتے ہیں جو قرآن و سنت کی مطابقت میں ہو- کبھی اس باب میں طلب کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے- اس لئے اجتہاد کسی چیز کی تلاش کے لئے کی جانے والی کوشش ہوتی ہے' عطا کرنے کے معنی اس میں نہیں ہیں- یہ باب اپنے فعل کی اتباع بھی کرتا ہے' چنانچہ اجتہاد میں اتباع کی بجائے اگر اختراع کا عنصر ملے تو یہ اجتہاد نہیں ہے-

اس سے ثابت ہوا کہ اجتہاد کے لغوی معانی میں ایک تو اس کے اصلی معانی ہیں جو لفظ جُہد سے نکلتے ہیں- دوسرے معانی باب افتعال میں آنے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں- ان سب معانی کی جھلک اجتہاد کے اصطلاحی مفہوم میں بھی نظر آتی ہے-

اجتہاد کی اصطلاحی تعریفیں کئی فقہاء نے کی ہیں' تفتازانی کہتے ہیں:

هواستفراغ الفقيه الوسع لتحصيل ظن بحكم شرعی(۱)

فقیہ کی وہ انتہائی کوشش جو حکم شرعی کے ظنی علم کے حصول کے لئے ہو-

امام بیضاوی اجتہاد کے بارے میں فرماتے ہیں:

استفراغ الجهد فی درک الاحكام الشرعية(۲)

شرعی احکام کے ادراک (فہم) کے لئے بھرپور کوشش کرنا-

امام آمدی کا خیال ہے:

الاجتهاد استفراغ الوسع فی طلب الظن بشی من الاحكام الشرعية على وجه يحس من النفس العجز عن المزيد فيه(۳)-

شرعی احکام میں کسی مسئلہ پر یقینی علم کے حصول کے لئے اتنا غور و فکر کرنا' کہ مزید کوشش کے لئے انسان خود کو عاجز پائے-

اصول کی کتابوں میں ایک تعریف یوں بھی ملتی ہے:

بذل المجتهد وسعه فی طلب العلم باحكام الشرعية(۴)

مجتہد کا شرعی احکام کے علم کی تلاش میں اپنی بھرپور کوشش کرنا-

ان سب تعریفات میں سے پانچ نکات بطور خاص سامنے آتے ہیں-

۱ - پہلی بات یہ ہے کہ اجتہاد کے لئے مجتہد کا ہونا لازمی ہے۔ یہ عمل مجتہد ہی کے ذریعے سے ممکن ہے۔ غیر مجتہد یعنی اجتہاد کی اہلیت نہ رکھنے والے افراد اجتہاد نہیں کر سکتے۔ (مجتہد کی صفات و شرائط اس باب کے آخر میں بیان کی جارہی ہیں) مذکورہ تعریفات سے جو بات واضح طور پر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اجتہاد اہل شخص ہی سے ممکن ہے۔ کوئی غیر اہل اجتہاد نہیں کر سکتا۔

۲ - دوسری اہم بات یہ ہے کہ اجتہاد کا عمل، اجتہاد کے قواعد و ضوابط اور اصول سے آزاد ہو کر نہیں ہوتا بلکہ استنباط احکام کے طے شدہ اور معروف اصولوں کے مطابق ہی کیا جاتا ہے۔ (استنباط احکام کے معنی یہ ہیں کہ قرآن و سنت کے احکام میں غور و فکر کر کے اصول و کلیات معلوم کئے جائیں، اور نصوص کا فہم حاصل کیا جائے۔ کیونکہ احکام الٰہی کی روح کو سمجھے بغیر اجتہاد ممکن نہیں) اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ استنباط احکام کی کوشش اجتہاد کے لئے ہو۔ محض علم حاصل کرنے اور کسی مسئلے کے مختلف زاویوں پر کی گئی علمی تحقیق، اجتہاد کے عمل میں کام تو آسکتی ہے، خود اجتہاد نہیں کہلاتی۔

۳ - یہ بھی اہم ہے کہ ایسی کی جانے والی ہر کوشش شرعی احکام کی دریافت کے لئے ہو، لہٰذا یہ از خود ضروری ہو جاتا ہے کہ ثابت شدہ شرعی احکام سے کما حقہ واقفیت ہو۔ کسی دریا سے موتی نکالنے کا اہل وہی ہو سکتا ہے جو دریا میں تیرنا جانتا ہو، غوطہ زنی کا ماہر ہو، اور موتیوں کی پہچان بھی رکھتا ہو۔ غیر اہل شخص کبھی سنگریزوں کو موتی سمجھ کر چن لیتا ہے، اور کبھی موتیوں کو سنگریزے جان کر چھوڑ دیتا ہے۔ لہٰذا نئی صورتوں میں شرعی احکام کی دریافت اسی شخص کے ذمہ کی جا سکتی ہے جو ان کو پہچاننے کا ملکہ بھی رکھتا ہو۔

۴ - ان تعریفات سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ مجتہد شرعی احکام کی جستجو کے لئے محض کوشش ہی نہ کرے بلکہ اس کی کوشش اس درجہ کمال کی ہو کہ اس سے آگے اس کی محدود صلاحیت اور بصیرت جواب دے جائے اور اسے یقین ہو جائے کہ اس سے زیادہ کوشش کرنا بساط سے باہر ہے۔

۵ - آخری اہم بات یہ ہے کہ یہ تلاش شرعی احکام کی ہو۔ نصوص شریعت، قرآن و سنت اور اصول و کلیات میں مدفون ہیں۔ دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ جونہی یہ مدفون خزانہ دریافت ہو اور حکم شرعی ظاہر ہو جائے تو کسی آلودگی کے بغیر اصل حالت میں اسے لوگوں تک پہنچایا جائے۔ سونے کی تلاش کرنے والے

دیانت دار افراد سونا تلاش کر کے بغیر ملاوٹ کئے لوگوں تک پہنچا دیتے ہیں۔ وہ پہلے سے اپنے پاس چھپائی ہوئی کسی دھات کو سونے کی شکل میں لوگوں کے ہاتھوں فروخت نہیں کرتے اور نہ سونا ملنے پر اس میں کسی کم قیمت دھات کی آمیزش کرتے ہیں۔ اسی طرح مجتہد وہ ہے جو کسی غیر اسلامی فکر کو اجتہاد کے لبادے میں لپیٹ کر فکری ملمع کاری کرنے کی بجائے قرآن و سنت کے بحر بیکراں میں سے خالص اور سچے افکار کی تلاش کرے۔

اجتہاد کی مشروعیت

پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ اسلامی قانون کے بنیادی مآخذ قرآن و سنت ہیں۔ اجماع اور قیاس، قرآن و سنت سے حاصل ہونے والے اصول و کلیات کی روشنی میں کی جانے والی انسانی ریاضت کا نام ہیں۔ یہ دونوں اجتہاد ہی کی مختلف شکلیں ہیں۔ دین میں فرد کی فکری کوششوں کو قیاس اور کبھی اجتہاد کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے، اور جب امت مسلمہ کے ارباب حل و عقد کی فکری کوششیں اجماع کے عمل سے گزر کر کوئی متفقہ نتیجہ سامنے لائیں تو اس اجتماعی رائے کو اجتماعی اجتہاد کہا جا سکتا ہے۔ یہ بات قیاس کے ضمن میں بیان کی جا چکی ہے۔ یہاں پر اس کی یاد دہانی کرانے کا مقصد یہ باور کرانا ہے کہ قرآن و سنت سے اجتہاد کی مشروعیت کے وہی دلائل ہیں جو اجماع اور قیاس کے حوالے سے گزشتہ ابواب میں دیئے جا چکے ہیں۔ اجماع و قیاس اور اجتہاد میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ یہاں پر ان گزشتہ دو مآخذ کا کچھ نئے زاویوں سے تعارف کرانا پیش نظر ہے۔

اجتہاد کے ارکان (Ingredients)

عمل اجتہاد، مجتہد، مسئلہ زیر بحث، (مجتہد فیہ یعنی مسئلہ جس میں اجتہاد کیا جائے) اور شرعی دلائل (الادلتہ) یہ چار عناصر اجتہاد کے ارکان ہیں۔ لفظ رکن ہی سے ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر ایک اجتہاد کے لئے ناگزیر ہے۔ ایک کی کمی سے بھی اجتہاد درست نہیں رہتا۔ مثلاً کسی زیر بحث مسئلہ میں مجتہد شرعی دلائل کے بغیر اجتہاد کرے تو ایک رکن کی کمی کی وجہ سے اسے اجتہاد نہیں کہا جا سکتا۔ اسی طرح مجتہد شرعی دلائل کے ساتھ ایسے مسئلہ میں اجتہاد کر رہا ہو جو قرآن و سنت میں پہلے سے طے ہو تو مسئلہ زیر بحث نہ ہونے کی وجہ سے یہ سرے سے اجتہاد ہی نہیں ہے۔ ان چار ارکان میں سے ہر ایک کا تعارف درج ذیل ہے۔

۱۔ اجتہاد

اجتہاد کا عمل اور اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والی اجتہادی رائے دو مختلف چیزیں ہیں۔ اجتہادی عمل میں مجتہد کی کوششوں کو بھی اجتہاد کہتے ہیں۔ یہ کوششیں اصطلاحی اجتہاد کا ایک رکن ہیں جو اس سوچ اور از حد ذہنی کوشش کا نام ہے جو مجتہد اجتہاد کے لئے کرتا ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بھرپور کوشش کے بغیر اجتہاد اپنی صحیح اور حقیقی شکل میں وجود میں نہیں آسکتا۔ یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مجتہد کے بارے میں بعض ضروری مباحث سامنے لائے جائیں۔

۲۔ مجتہد اور اس کی اقسام

مجتہد، اجتہاد کا دوسرا رکن ہے جس کے بغیر اجتہاد نہیں ہو سکتا۔ مجتہد وہ شخص ہوتا ہے جس کے ذریعے اجتہاد وجود میں آتا ہے۔ وہ اجتہاد کی تمام شرائط پوری کرنے کے بعد کسی نئے پیش آنے والے مسئلہ کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں تلاش کرتا ہے۔ اصول فقہ کی کتابوں میں مجتہدین کی اقسام کئی اعتبار سے کی گئی ہے۔ بعض علماء کے نزدیک ان کی سات قسمیں بلکہ مدارج ہیں۔ بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ ان سات میں سے دو قسم کے مجتہدین دراصل مقلدین کے زمرے میں شامل ہیں۔ تاہم بالعموم مجتہدین کے پانچ طبقات بیان کئے جاتے ہیں۔ یہ پانچ طبقات اور ان کا تعارف اس طرح ہے۔

الف۔ مجتہد مطلق مستقل

یہ وہ مجتہد ہے جس کے اپنے اصول فقہ اور ان کی فروع (Branches) ہوں۔ اس کا علم براہ راست قرآن و سنت سے ماخوذ ہوتا ہے۔ یہ کسی دوسرے مجتہد کی رائے کو اختیار کرنے کی بجائے خود اپنی رائے رکھتا ہے۔

اصول فقہ کی تاریخ میں ایسے جلیل القدر اور بلند پایہ علمی مرتبے کے حامل افراد کی بڑی تعداد کا تعلق ابتدائی دور سے ہے۔ کیوں کہ ابتدائی مباحث و مسائل ان کے ادوار میں پیدا ہوئے، اور انہی ادوار میں ان کا حال تلاش کرنے کی ضرورت بھی پیش آئی۔ اس طرح کے بنیادی معاملات پر ضروری غور و فکر اور تحقیق و تفتیش کا کام دو اڑھائی سو سال کی طویل مدت تک جاری رہا۔ تا آنکہ چوتھی صدی ہجری کے اواخر تک یہ تمام مسائل مرتب اور منضبط ہو گئے۔ اور ان کے بارے میں امت کا ایک واضح موقف متعین ہو گیا۔ جن حضرات نے اس تاریخ ساز عمل میں حصہ لیا ان میں امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام اوزاعی، امام ابن حزم، داؤد ظاہری

اور ابن جریر طبری رحمہم اللہ کے اسماء گرامی نمایاں ہیں- ان میں سے پہلے چار ائمہ کے اسلوب اجتہاد اس طرح زندہ ہیں کہ ان کے ماننے اور عمل کرنے والے دنیا کے مختلف حصوں میں آباد ہیں- باقی ائمہ مجتہدین کے اصول اور فروع حدیث و فقہ کی مختلف کتابوں میں بکھرے ہوئے ملتے ہیں- یہ مرتب و منضبط نظام اجتہاد کی حیثیت سے اب معدوم ہو چکے ہیں-

مذکورہ بالا مجتہدین شرعی دلائل کے معاملے میں دوسرے ائمہ کا اتباع نہیں کرتے بلکہ ہر اعتبار سے خود مجتہد ہوتے ہیں اور کسی حتمی نتیجے پر اسی وقت پہنچتے ہیں جب انہیں مکمل اطمینان قلب کے ساتھ یقین ہو جائے کہ انہوں نے درست نتیجہ نکالا ہے- یہ ہو سکتا ہے کہ اس طبقہ کے مختلف ائمہ کے بعض اصول ایک جیسے ہوں لیکن تقدیم و تاخیر کے باعث اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ کسی ایک نے دوسرے کی تقلید کی ہو بلکہ یہ محض اتفاقی امر ہوتا ہے-

ب- مجتہد مطلق منتسب

منتسب سے مراد یہ ہے کہ اس کی کسی سے نسبت ہو- مجتہد مطلق منتسب اپنے امام کے ساتھ نسبت رکھتا ہے اس لئے اسے اس نام سے موصول کیا جاتا ہے- اس طبقہ میں وہ ائمہ داخل ہیں جن کے اپنے اصول و کلیات تو ہوتے ہیں لیکن وہ کسی نہ کسی اعتبار سے کسی مجتہد مطلق مستقل سے نسبت رکھتے ہیں- یہ مجتہدین بسا اوقات فروع میں اپنے امام کے وضع کردہ اصول و کلیات سے اختلاف بھی کرتے ہیں لیکن عام طور پر ان کا طریقہ اجتہاد یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے امام کے اصول و ضوابط کے پابند رہتے ہیں- امام ابو یوسف، امام محمد، امام زُفر اور ان کے ہم عصر ائمہ کا شمار اسی طبقہ مجتہدین میں ہوتا ہے- بعض علماء نے امام ابو یوسف اور امام محمد کو طبقہ اول میں شامل کیا ہے کیونکہ یہ ائمہ بھی مسائل کے استنباط میں اپنے امام کے مقلد نہیں تھے بلکہ اپنے فقہی نظریات میں خود آزادانہ فکر کے ذریعے اجتہاد کرتے تھے- لیکن یہ بات درست نہیں ہے- فقہی نظریات میں امام سے آزاد ہونا الگ بات ہے اور آزاد رہ کر مجتہد مطلق مستقل کے درجے کا علمی مرتبہ حاصل کرنا دوسری بات ہے- یہی وجہ ہے کہ علماء کی اکثریت نے ان کو مجتہدین کے طبقہ ثانی ہی میں شمار کیا ہے- اس طبقہ کے مجتہدین ہوتے تو مطلق ہی ہیں لیکن امام کی نسبت سے انہی کے حلقہ اثر میں شمار ہوتے ہیں اس لئے ان کے مقلدین الگ سے نہیں ہوتے-

ج- مجتہد ترجیح

اس طبقہ کے مجتہدین اپنے امام کے اصول و فروع اور اقوال کے مطالعہ کے بعد کسی نئے مسئلہ کے لئے گزشتہ اقوال میں سے راجح قول کی تلاش کرتے ہیں- یہ علماء کسی ایک امام کی پیروی میں رہ کر اجتہاد کرتے ہیں- کسی زیر بحث مسئلہ پر منطبق ہونے والے امام کے دو یا دو سے زائد اقوال میں سے ایک کو ترجیح دے کر مسئلہ کی نوعیت کے مطابق اس پر حکم لگانے کا کام کرتے ہیں- ان علماء کے کام کی نوعیت ان کے ہم عصر ہی سمجھ سکتے ہیں جو اس زمانے کے عصری تقاضوں کو جانتے ہوں' اسباب و ظروف اور پیمانوں سے واقف ہوں- بعد میں آنے والے علماء کے لئے ان علماء کا اختیار کیا ہوا راجح قول عجیب ہو سکتا ہے-

اس طبقہ کے علماء میں سے ماوردی' نووی' ابن قدامہ اور سرخسی قابل ذکر ہیں-

د- مجتہد تخریج

اس طبقہ کے علماء کو مجتہد فی المسائل بھی کہا جاتا ہے- یہ ائمہ ان مسائل میں اپنی بصیرت صرف کرتے ہیں جن میں ان کے امام یا ان کے کسی مجتہد مطلق منتسب کی واضح رائے منقول نہ ہو- یہ اپنے فقہی مذہب کے اصولوں کو بعد میں پیش آنے والے اصولی مسائل پر منطبق کرتے ہیں- یہی وہ طبقہ ہے جس نے اپنے اپنے فقہی مسلک کو مدون کر کے قابل قدر خدمت سرانجام دی ہیں- فقہی مسلک' خاص طور پر فقہ حنفی کا آغاز ائمہ کی آراء سے ہوا- بعد میں آنے والے علماء نے ان آراء کو جمع کر کے قواعد نکالے اور جہاں ضرورت پیش آئی' بعض آراء کو مستثنیات قرار دیا- یہ کام کرنے والے مجتہد تخریج کہلائے- ان بزرگوں کے کام سے متاخرین کا کام بہت آسان ہو گیا- صورت مسئولہ پر وہ کسی فقہی قاعدے کا اطلاق کرتے جس کی روشنی میں جواب حاصل کرنا آسان تھا- بظاہر یہ کام آسان نظر آتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ فقہی قواعد جاننے والا ہر شخص اجتہاد کر سکتا ہے لیکن یہ کام اتنا آسان نہیں ہے کیونکہ اجتہاد کے لئے لازمی چیزیں اس طرح کے مجتہد کا بھی خاصہ ہوتی ہیں- ان لازمی چیزوں کا ذکر آگے آرہا ہے-

مجتہدین تخریج نے جب اپنے اپنے فقہی قواعد کو متقدمین کی آراء میں سے منضبط صورت میں نکالا تو ان کے فقہی مسلک کو دو طرح کے فائدے حاصل ہوئے- اول یہ کہ بعد میں آنے والے علماء کے لئے اجتہاد کا راستہ آسان ہو گیا- اور دوم یہ کہ ان قواعد کی مدد سے علماء کو یہ سہولت ہو گئی کہ وہ منتشر کام کو جمع کر کے کوئی کلیہ

نکالنے کی زحمت سے بچ گئے۔ ان کے لئے اب مختصر کام تھا کہ وہ قواعد کو استعمال کر کے ٹھوس کام کر سکیں اس طرح دوسرے فقہی مسالک سے آراء لینے کا رجحان بھی کم ہو گیا۔

اس طبقہ علماء میں الکندی، رازی، محمد بن سحنون اور باقلانی شامل ہیں۔

و۔ مجتہد فتاویٰ

اس طبقہ کے مجتہدین کو دوسرے الفاظ میں مجتہد فتاویٰ بھی کہتے ہیں۔ یہ علماء اپنے اپنے فقہی مسلک کا علم حاصل کر کے بلا دلیل، شرعی احکام بیان کرتے ہیں۔ ان کے اجتہاد کا دارومدار پہلے چار طبقات کے علماء کے اصول اور آراء پر ہوتا ہے۔ یہ علماء اپنے اپنے فقہ کے اصول و فروع یاد کر کے اپنے سے بلند مرتبہ کے مجتہدین کی آراء کو سامنے رکھ کر لوگوں کے سوال کرنے پر فتویٰ دیتے ہیں، از خود اجتہاد نہیں کرتے۔

مجتہدین کی یہ تقسیم آخری اور حتمی نہیں ہے۔ بعض اصحاب نے کئی دوسری جہتوں کے اعتبار سے مجتہدین کی کم یا زیادہ اقسام میں بھی درجہ بندی کی ہے۔ جیسے ابن عابدین اور ابن الکمال الوزیر کے خیال میں مجتہد کی سات قسمیں ہیں جن کے نام یہ ہیں(۴)۔

مجتہد فی الشرع، مجتہد فی المذہب، مجتہد فی المسائل، صاحب تخریج، صاحب ترجیح، صاحب تمیز اور مقلد۔

ابن الکمال الوزیر ان میں پہلے تین کو مجتہدین قرار دیتے ہیں اور باقی چار ان کے نزدیک پہلے تین کے مقلد ہوتے ہیں۔

ایک وضاحت

تخریج اور ترجیح کے طبقات میں بہت لطیف فرق ہے۔ بعض اوقات یہ فرق ختم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ایک طبقہ کے مجتہدین دوسرے میں شمار کئے جاتے ہیں۔ بلکہ سہولت کی خاطر یہاں تک کہا جا سکتا ہے کہ ان دو طبقات کے بارے میں کوئی ایک فیصلہ کرنا بہت مشکل کام ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کچھ اصحاب، فقہ کے کسی ایک میدان میں اتنا کام کرتے ہیں کہ وہ اس طبقہ کے علماء میں شمار کئے جاتے ہیں۔ وہی علماء اپنے کسی دوسرے کام کے اعتبار سے دوسرے طبقہ مجتہدین میں بھی شمار کئے جاتے ہیں۔ اس لئے مجتہدین کی اس تقسیم کو حتمی نہ سمجھا جائے۔

۳- مسئلہ زیر بحث (مجتہد فیہ)

مسئلہ زیر بحث، جیسا کہ نام ہی سے ظاہر ہے، وہ معاملہ ہے جس میں علماء کو اجتہاد کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ایسے مسائل صرف وہی ہوتے ہیں جن کے بارے میں قرآن و سنت سے کوئی راہ نمائی حاصل نہ ہو۔ لیکن ایسا کوئی سوال اجتہاد کا محل (موضوع) قرار نہیں دیا جا سکتا جو طے شدہ اور غیر متبدل ہو۔ اسلامی شریعت، اہل مجتہدین کو اجتہاد کا حق تو یقیناً دیتی ہے لیکن اس کے ساتھ یہ صراحت بھی کر دیتی ہے کہ مسلمہ امور میں اجتہاد کی کوشش اور شریعت کے مقاصد سے متصادم ہر اجتہاد باطل ہوتا ہے اس کا قطعاً" کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ علامہ آمدی کہتے ہیں۔

الاجتهاد مشروط بعدم النص (٦)

اجتہاد عدم نص (قرآن و سنت) کے ساتھ مشروط ہے۔

اس فقہی قاعدے کے دو مفہوم ہیں۔ اول یہ کہ نص (قرآن و سنت) سے متصادم اجتہاد کی سرے سے اجازت ہی نہیں ہے۔ اور دوم یہ کہ جن امور میں اجتہاد کی اجازت دی گئی ہے ان میں بھی وہی مجتہدانہ فیصلہ قابل قبول ہوتا ہے جو نص کے خلاف نہ ہو۔ یہ دونوں مفہوم بڑے خوبصورت طریقے سے آپس میں مربوط ہیں۔ اس اصول کے ذریعے پہلے نص کی بالادستی بیان ہوتی ہے۔ اس کے بعد اجتہاد کو نص کے تابع لایا گیا پھر اجتہاد کو ایک قسم کی خود مختاری عطا کی گئی جو نص کے تابع رہ کر ہی ہو۔ لہٰذا اگر کوئی مجتہد اپنے اجتہاد کے ذریعے کسی ایسے نتیجے پر پہنچے جو قرآن و سنت کی تعلیمات سے آزاد ہو اور یہ دعویٰ کرے کہ نص سے راہ نمائی نہ ملنے کی وجہ سے اس کی رائے بالکل آزادانہ ہے تو یہ اجتہاد غلط ہے۔ امت کا اجتماعی ضمیر اس کو قبول نہیں کرتا۔

نص انسانوں کی یہ مجبوری بھی قبول نہیں کرتی کہ حالات کے بدل جانے کے باعث اجتہادی فیصلے آزادانہ ہوں۔ ایک زمانے میں عالم اسلام کی ایک مشہور درسگاہ کے علماء نے اسلامی معیشت کے چند پہلوؤں کے بارے میں تعلیمات اسلامی سے ہٹ کر ایک اجتہادی رائے دی۔ باوجود اس حقیقت کے کہ علماء تو ایک طرف رہے عوام کے دلوں میں بھی اس درسگاہ کی بڑی قدر و منزلت تھی، پورے عالم اسلام نے اس اجتہاد کو قبول نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج اسلامی معیشت کے ان پہلوؤں پر امت کا اجماع مذکورہ اجتہاد سے ہٹ کر ہے۔

اس مثال سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اہل ترین افراد سے صادر ہونے والے فیصلے بھی امت اسی صورت میں قبول کرتی ہے کہ وہ درست ہوں۔ رہے وہ اجتہادات، جو مجتہدین سے صادر نہ ہوئے ہوں اور وہ قوانین جو

اسلامی نظام زندگی سے متصادم ہوں، تو انہیں امت کے عوام و خواص کا ضمیر کبھی قبول نہیں کرتا۔ پاکستان کے فیملی لاز آرڈیننس مجریہ ۱۹۶۱ء میں زوجین میں طلاق کے موثر ہونے کا ایک سرکاری طریقہ درج ہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ مرد پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی کرنا چاہے تو کیا طریقہ اختیار کرے۔ ملک میں اعداد و شمار اکھٹے کرنے کا کوئی ادارہ بتا سکتا ہے کہ کتنی طلاقیں اس قانون کی تعلیمات کی روشنی میں ہوئیں اور کتنی علیحدگیاں علماء کرام کے مشوروں سے عمل میں آئیں؟ یہ بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ کتنے مردوں نے دوسری شادی کرتے وقت اس قانون کی شقوں کی "اطاعت" کی، اور کتنوں نے قرآن و سنت کی تعلیمات پر عمل کیا؟ عدالتی کارروائیوں اور مقدمات سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ عام مسلمان کی نظر میں طلاق سے مراد وہی طلاق ہے جو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ہوتی ہے۔ رہی "قانونی طلاق" تو شاید ہی کسی مسلمان نے شرعی طریقے سے دی جانے والی طلاق کے بعد "اجتہادی طلاق" کا راستہ اپنایا ہو۔

مصلحت، نظریۂ ضرورت اور استحسان کے حوالے سے علمائے کرام اگر ایسا اجتہاد کریں کہ بادی النظر میں نصوص سے متصادم ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ انہوں نے شریعت کے متعین کردہ دائرے سے نکل کر کسی نئی راہ کی طرف راہ نمائی کی ہے۔ بلکہ ایسا کرنے کی اجازت ہے کیونکہ مصالح مرسلہ، ضرورت اور استحسان کے منضبط قواعد، اصول کی کتابوں میں موجود ہیں۔ کوئی فقیہ جب اجتہادی عمل سے گزرتا ہے تو وہ اصول فقہ سے باخبر ہونے کے باعث تمام پہلوؤں کو سامنے رکھ کر ہی اپنی بصیرت کا استعمال کرتا ہے۔ جیسے طبیب بسا اوقات پاک صاف اور حلال چیزیں بھی دوران مرض میں اپنے مریض کے لئے ممنوع قرار دے دیتا ہے۔ اور اسے کڑوی، کسیلی اور ناپسندیدہ دوائیں پینے پر مجبور کر دیتا ہے۔ یہ دونوں عمل مریض کی بہتری کے لئے ہوتے ہیں۔ یوں بھی ہوتا ہے کہ وہ ایک ہی مرض میں مبتلا دو مختلف مریضوں کے لئے الگ الگ نسخہ تجویز کرتا ہے۔ وہ بہت سے عوامل جیسے مریض کی جنس، عمر، طبعی حالت اور موسمی حالات سامنے رکھتے ہوئے ہی دواؤں کا انتخاب کرتا ہے۔ اسی طرح مجتہد بھی کئی عوامل سامنے رکھتے ہوئے کسی فیصلہ کن رائے کا اظہار کرتا ہے۔

مثال کے طور پر امانت کے طور پر رکھی گئی کوئی شے امین سے اتفاقیہ تلف ہو جائے تو اسلامی شریعت میں امین اس کے بدلے میں تلافی کرنے کا پابند نہیں ہے۔ اور نہ مالک اس سے کچھ طلب کرنے کا روادار ہے۔ لیکن خلفائے راشدین کے زمانے میں صحابہ کرام کا اس پر اجماع ہو گیا کہ اگر درزی کو دیا جانے والا کپڑا یا سنار کو دیا جانے والا

سونا (Contract of Bailment)ان سے ضائع ہو جائے تو ان کے لئے لازم ہے کہ اس نقصان کو پورا کریں- بظاہر یہ فیصلہ احکام شریعت کے منافی نظر آتا ہے لیکن اگر ایسا قانون نہ بنایا جاتا تو اندیشہ تھا کہ درزی' سنار اور دوسرے کاریگر لوگوں کی اشیاء لاپروائی سے بناتے جس سے وہ ضائع ہو جاتیں- لہٰذا حضرت علیؓ کے اس اجتہاد کے بعد امانت کی تعریف میں صرف وہی چیزیں رہ گئیں جو مطلقاً" رکھنے کے لئے دی جائیں اور لوٹاتے وقت ان کی ہیئت میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہو- تجارتی لین دین کے عمل میں امانت کا تصور تبدیل ہو گیا-

یہ بات تو ثابت ہے کہ قرآن و سنت کے طے شدہ امور میں اجتہاد باطل ہے- لیکن ان معاملات میں کسی نئے اجتہاد کا کیا مقام ہے جن پر علماء کا اجماع ہو چکا ہے؟

چوتھی صدی کے مشہور حنفی فقیہ البزدوی نے اس سوال کا بڑا شافی جواب دیا ہے- ان کا کہنا ہے کہ کسی معاملہ پر اجماع ہو جانے کے بعد کوئی عالم نئے دلائل کے ساتھ اس کے خلاف معقول طریقے سے اپنی رائے دے اور باقی علماء اس رائے میں وزن محسوس کرتے ہوئے کسی نئی علمی بحث کا آغاز کریں جس کا سلسلہ پھیلتے پھیلتے علمی حلقوں میں عام ہو جائے تو ممکن ہے اس کے نتیجے میں کوئی نیا اجماع معرض وجود میں آئے- اس ممکنہ اجماع کی مختلف صورتوں پر اجماع کے ضمن میں گفتگو کی جا چکی ہے-

یہاں پر یہ بات بیان کرنا مقصود ہے کہ فقیہ کا یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ کن معاملات پر امت کا اجماع ہو چکا ہے اور کن پر نہیں- اس بارے میں مکمل علم رکھنا مجتہد کے ذمے ہے- فتاویٰ ابن تیمیہ میں آتا ہے کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں جن کے متعلق بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان میں اجماع ہے حالانکہ وہ اجماع نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات دوسرا قول' راجح ہوتا ہے(۷)-

مجتہد فیہ (مسئلہ زیر بحث) کی اس بحث سے ہمیں یہ نکات معلوم ہوتے ہیں کہ قرآن و سنت میں طے شدہ امور میں اجتہاد قطعاً" جائز نہیں ہے اور یہ کہ اجتہادی امور میں اسلامی شریعت وہی اجتہاد قبول کرتی جو قرآن و سنت کی مجموعی تعلیمات سے متصادم نہ ہو- اور مزید یہ کہ جن مسائل پر اجماع ہو چکا ہو ان میں معقول اور نئے شرعی دلائل کے ساتھ اجتہاد کیا جا سکتا ہے-

۴- دلائل (الادلہ)

اجتہادی مسئلہ میں مجتہد اپنی رائے دینے سے قبل مختلف دلائل جمع کرتا ہے- یہ دلائل اجتہادی عمل میں اس کا لازمی حصہ ہوتے ہیں- دلائل کی دو قسمیں ہیں-

وہ دلائل جنہیں شریعت قبول کرتی ہے-

وہ دلائل جنہیں شریعت قبول نہیں کرتی-

قبول کئے جانے والے دلائل کی تقسیم مزید دو قسموں میں ہوتی ہے- اولاً نقلی دلائل اور ثانیاً" عقلی دلائل- پہلی قسم سے مراد قرآن و سنت ہے- یہ وہ دلائل ہیں جو قرآن و سنت، قیاس، اجماع، استحسان اور مصالح مرسلہ میں سے استنباط احکام کے ذریعے حاصل کئے جائیں- مثلاً کسی نئی نشہ آور شے کی حرمت ثابت کرنے کے لئے مجتہد کو شراب کے بارے میں آیات اور احادیث کا حوالہ دینا پڑتا ہے کہ یہ شے حرام ہے- پھر اسے یہ ثابت کرنا پڑتا ہے کہ زیر نظر شے میں بھی نشہ کی کیفیت موجود ہے- اس کے لئے کبھی وہ واقعاتی شواہد کا حوالہ دیتا ہے، کبھی ماہرین فن کی آراء پیش کرتا ہے، اور کبھی اس شے اور شراب دونوں کی کیفیات میں مماثلت تلاش کرتا ہے- یہ سب عقلی دلائل کہلاتے ہیں- یہ البتہ مسئلہ کی نوعیت پر منحصر ہے کہ بعض اوقات صرف نقلی دلائل ہی سے مجتہد کا کام سہل ہو جاتا ہے جبکہ بعض معاملات میں اسے دونوں طرح کے دلائل کی ضرورت پڑتی ہے- یہ اسی طرح ہے جیسے عدالتوں میں کسی وکیل کو اپنی بات ثابت کرنے کے لئے کبھی محض قانون کی کسی شق کی ضرورت پڑتی ہے اور کبھی وہ سابقہ عدالتی نظائر (Precedents) اور اپنے زور بیان کے بل بوتے پر اپنی بات ثابت کرلیتا ہے-

نقلی دلائل میں اجتہاد کی ایک مثال درج ذیل ہے-

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا طلاق قبل النکاح ولا عتق قبل ملک (۸)

طلاق نکاح سے پہلے نہیں نہ ملک سے پہلے آزادی ہے-

یہاں پر دو احتمال پائے جاتے ہیں- اولاً کہ یہ حدیث حضرت علیؓ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو- ثانیاً" کہ یہ حدیث حضرت علیؓ نے کسی دوسرے صحابی سے سنی ہو جس نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو- عقل کا تقاضا یہ ہے کہ یہی گمان کیا جائے کہ یہ حدیث حضرت علیؓ نے خود سنی ہو گی کیونکہ اس رائے

کے خلاف ہمارے پاس کوئی قرینہ نہیں ہے۔ اس لئے اگر یہ کہا جائے کہ یہ حدیث حضرت علیؓ نے خود سنی ہے تو یہ دلیل قطعی الثبوت ہے۔ یہ نقطہ نظر قول راجح کہلاتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ گمان ہو سکتا ہے کہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے کی بجائے کسی دوسرے شخص سے سنی ہو کیونکہ اس کا احتمال بہرحال موجود ہے۔ یہ قول مرجوح ہے۔

لہٰذا کسی مسئلہ میں مجتہد اپنی رائے کے حق میں راجح قول استعمال کرتا ہے تو قطعی الثبوت ہونے کی وجہ اس کی رائے میں وزن زیادہ ہوتا ہے۔ دوسرا مجتہد جو مرجوح قول کا سہارا لیتا ہے، ظنی الثبوت ہونے کے باعث کمزور دلیل رکھتا ہے۔ اس لئے پہلے مجتہد کی دلیل وزنی ہونے کی وجہ سے اس کے اجتہاد میں معتبر ہے۔

دلائل کی دوسری قسم وہ ہے جسے شریعت قبول نہیں کرتی۔ جیسے یہ دلیل کہ زکوۃ انہی اشیاء پر ہے جن کا ذکر قرآن و سنت میں آیا ہے، مال کی باقی اقسام اس سے مستثنیٰ ہیں، غلط ہے۔ یہ دلیل بھی ناقابل قبول ہے کہ نماز کی رکعتوں میں کمی بیشی، رمضان کے روزوں کی تعداد کم یا زیادہ کرنا، حج کے وقت میں تبدیلی، اور نصاب زکوۃ میں تغیر، بذریعہ اجتہاد ممکن ہے۔ اسی طرح کوئی شخص یانار کونی برداً وسلاماً علی ابراہیم میں سے "نار" سے حقیقی آگ مراد لینے کی بجائے نمرود کی آتش غضب لے، جیسا کہ بعض ملحدین اور زنادقہ نے کیا ہے تو یہ بالکل غلط دلیل ہے۔ کیونکہ اصول فقہ اس تعبیر کی اجازت نہیں دیتے۔ یہ کہنا بھی گمراہی ہے کہ حج کا مقصد اس وقت کے قبائل عرب کو متحد رکھنا تھا اور آج اس کی ضرورت نہیں ہے (اگر یہ بے تکی دلیل مان بھی لی جائے تو آج امت مسلمہ کو متحد رکھنے کے لئے حج کی پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت ہے)۔ اس طرح کے دلائل آج کل اخباری مضامین میں بہ آسانی ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔ جن کا مقصد شتر بے مہار قسم کی آزادی اور فیل بے زنجیر طرح کا فکری انتشار ہے۔

قرآن و سنت کے خاص الفاظ سے بھی وہی معانی لئے جا سکتے ہیں جن کے لئے وہ وضع کئے گئے ہیں، مثلاً "ثلاثة قروء" میں لفظ "ثلاثة" سے مراد تین کا عدد ہی لیا جا سکتا ہے، کم نہ زیادہ۔ اسی طرح حدیث کے الفاظ "فی کل اربعین شاة شاة"(۹) میں اربعین چالیس کے عدد پر دلالت کرتا ہے۔ اور شاة بکری کے لئے استعمال ہوا ہے، کسی اور جانور کے لئے استعمال نہیں ہو سکتا اور نہ ان دو معانی کے علاوہ کوئی اور مفہوم لیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ دونوں الفاظ خاص ہیں اور اپنے اصلی معنوں کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس بارے میں کسی اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے۔ خاص اور عام کی بحث پہلے باب میں دیکھی جا سکتی ہے۔

اجتہاد کی قسمیں

اجتہاد کی اقسام کی تقسیم کئی اعتبار سے ہو سکتی ہے۔ مثلاً طبعی تقسیم، مجتہد کے لحاظ سے، موضوع کے لحاظ سے اور حکم تکلیفی کے لحاظ سے۔ ذیل میں ہر ایک کا مختصر تعارف کرایا جاتا ہے۔

۱۔ طبعی اعتبار سے

طبعی اعتبار سے اجتہاد کی دو قسمیں ہیں۔

الف ۔ اجتہاد تام: تام کے معنی "مکمل" ہیں۔ یہ اجتہاد کی وہ قسم ہے جو شریعت کے پیش نظر ہے۔ یہی شارع کو مطلوب ہے۔ اس کے ذریعے جدید مسائل کا حل ملتا ہے۔ یہ بے حد اور عاجز کر دینے والی انسانی کوشش کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔

ب ۔ اجتہاد ناقص: نام ہی سے ظاہر ہے کہ اجتہاد تام کی ضد ہے۔ مجتہد کی کوتاہی یا شرائط پوری نہ ہونے کی وجہ سے اجتہاد میں کوئی نقص رہ جاتا ہے۔ اس لئے اجتہاد کی یہ قسم شریعت میں نا معتبر ہے۔ اس میں الغاء پایا جاتا ہے۔ اس لئے یہ ملغاۃ ہے۔ یہی وہ قسم ہے جس کے مظاہر اخباروں اور صحافتی حلقوں میں غیر اہل افراد کے قلم سے ہم آج کل عام طور پر دیکھتے ہیں۔

۲۔ مجتہد کے اعتبار سے

مجتہد کے لحاظ سے بھی اجتہاد کی دو قسمیں ہیں۔

الف ۔ اجتہاد مطلق: اس قسم میں مجتہد کسی خاص امام یا فقیہ کے اصول سامنے رکھ کر اجتہاد نہیں کرتا بلکہ چاروں ائمہ مجتہدین کے اصول و کلیات میں سے جسے بہتر سمجھے اختیار کرتا ہے۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ ان ائمہ مجتہدین کے کلیات سے واقف ہی نہیں ہوتا، یا ان سے فائدہ حاصل کرنا سود مند نہیں سمجھتا بلکہ وہ ایسی صورت حال سے دوچار ہوتا ہے کہ کسی ایک امام کے اصول بعض مواقع پر ناکافی ہوتے ہیں۔ لہٰذا وہ کسی دوسرے امام کے اصول اختیار کر کے اجتہاد کرتا ہے۔ ایسا طرز عمل ہر شخص کے بس میں نہیں ہوتا، یہ وہی کر سکتا ہے جو علمی لحاظ سے بہت بلند پائے کا فقیہ اور مجتہد ہو۔ موجودہ دور میں

عالم اسلام کے مسائل محدود حد بندیوں سے نکل کر عالم گیر وسعت اختیار کر چکے ہیں۔ اس لئے ان مسائل میں عام طور پر ایسے اجتہاد کی ضرورت و اہمیت بڑھتی جا رہی ہے۔ اجتہاد کی اس قسم کو اجتہاد مطلق کہتے ہیں۔

ب ۔ اجتہاد مقید :دوسری قسم میں مجتہد کسی امام کے اصول سامنے رکھ کر ان کی روشنی میں اجتہاد کرتا ہے۔ باقی اماموں کے کلیات اس کے پیش نظر نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ اس قسم کو اجتہاد مقید کہتے ہیں۔ یعنی وہ اجتہاد جو ایک امام کے اصول و کلیات تک محدود ہو، مقید ہو۔

۳ ۔ موضوع کے اعتبار سے

موضوع کے لحاظ سے بھی اجتہاد کی دو قسمیں ہیں۔

الف ۔ تمام ابواب فقہ میں اجتہاد : یہ کہ مجتہد، فقہ کے تمام ابواب جیسے ایمانیات، عقائد، عبادات، معاملات اور شخصی قوانین میں اجتہاد کرے۔ دین کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرے، اور ہر عنوان کے جدید مسائل کو حل کرے۔ یہ طرز عمل ابتدائی دور میں رہا ہے۔

ب ۔ مخصوص ابواب فقہ میں اجتہاد :اس کی دوسری شکل یہ ہے کہ مجتہد کچھ خاص میدان منتخب کر کے ان میں اپنی بصیرت کا استعمال کرے۔ یہ صورت حال آج کل کے دور میں دیکھی جا سکتی ہے کیوں کہ آج کل علمی دنیا میں تخصص (Specialization) کا دور دورہ ہے۔

۴ ۔ حکم تکلیفی کے اعتبار سے

قرآن و سنت کا وہ حکم جس میں انسان کو کسی فعل کے کرنے، یا نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہو، حکم تکلیفی کہلاتا ہے۔ حکم تکلیفی کی پانچ قسمیں ہیں۔

۱ ۔ یہ کہ حکم کی تعمیل لازمی ہو، ایسی قسم کو واجب (Obligatory) کہتے ہیں۔ نہ کرنے سے گناہ لازم ہے۔

۲ ۔ یہ کہ حکم محض مشورے (Advice) یا سفارش (Recommendation) کی حیثیت رکھتا ہو۔ ایسے حکم پر انسان عمل کرے تو افضل ہے، نہ کرے تو کوئی حرج نہ ہو۔ عمل کرنے پر اخروی ثواب ہوتا ہے۔

ایسا حکم مندوب (Recommended) کہلاتا ہے۔

۳ - یہ کہ حکم کی تعمیل لازمی ہو جس فعل سے روکا جارہا ہو' اس کا ارتکاب کیا جائے تو گناہ۔ یہ قسم حرام (Prohabited) کہلاتی ہے۔ حرام کام کر گزرنے پر گناہ ہے۔

۴ - یہ کہ حکم محض مشورہ یا سفارش ہو' انسان اس پر عمل کرے تو اس کے لئے بہتر' اور نہ کرے تو اس کا اپنا نقصان ہو۔ حکم کی یہ قسم مکروہ (Disapproved) کہلاتی ہے۔ ایسا کام نہ کرنے پر اخروی ثواب ہوتا ہے۔

۵ - یہ کہ حکم پر عمل کرنے کا اختیار انسان کے اپنے پاس ہو' اور ہر دو صورتوں میں نتائج ایک جیسے ہوں۔ یہ قسم مباح (Permissible) کہلاتی ہے۔ ایسے کام کرنے پر نہ ثواب ہے نہ گناہ۔

دیکھا جائے تو اس پیمانے پر حکم تکلیفی کے لحاظ سے اجتہاد کی اقسام سے مراد یہ ہے کہ مجتہد کس حد تک مکلف ہے کہ وہ کسی معاملے میں اپنی بصیرت استعمال کرے یا نہ کرے۔ اس کی وہی پانچ صورتیں ہیں۔ جن کی ذرا ترمیم کے ساتھ تفصیل اس طرح ہے۔

ا - اجتہاد واجب

کسی شخص میں تمام مجتہدانہ صفات موجود ہوں' وہ اجتہاد کی شرائط بھی پوری کرتا ہو' کسی شرعی مسئلہ کے حل کے لئے اس کے سوا کوئی اور مجتہد بھی موجود نہ ہو' تو اس شخص پر واجب ہے کہ وہ اپنے اجتہاد کے ذریعہ مسئلہ کا حل نکالے۔ کسی شرعی عذر کے بغیر مجتہد اس میں کوتاہی کا مرتکب ہو تو گناہگار ہے۔

ب - اجتہاد کفایہ

اسی طرح اگر کئی اہل شخص موجود ہوں تو ہر شخص پر فرداً فرداً واجب ہے کہ وہ اجتہاد کرے اور کوئی ایک شخص یہ فریضہ سرانجام دے ڈالے تو باقی بری الذمہ ہو جاتے ہیں لیکن سب کے سب اس فرض کے ادا کرنے میں پہلو تہی کریں تو سب گناہگار ہوتے ہیں۔

ج - اجتہاد مندوب

علمی تحقیق' مشاورت اور متوقع علمی خطرات پر دماغ سوزی کرنا' اور آنے والے متوقع مسائل کے

حل کے لئے قبل از وقت غور و فکر کرنا اجتہاد مندوب ہے۔ اس کے لئے شرط ہے کہ مسئلہ زیر بحث موجود ہو۔

د - اجتہاد مکروہ

ایسے مسائل میں اپنی صلاحیتیں صرف کرنا مکروہ ہے جن کا فی الوقت واقع ہونا نہ صرف محال ہو بلکہ مستقبل میں بھی اس کا کوئی امکان نہ ہو کہ امت کبھی ایسے مسائل سے دوچار ہو گی۔ مرنے کے بعد زندہ ہونے پر یقین رکھنا یقیناً ایمان کا حصہ ہے لیکن زندہ ہونے کی کیفیت، اس کا وقت، جسمانی یا روحانی زندگی کی بحثیں، یہ امت کے مسائل میں سے نہیں ہیں۔ جدید فلسفیانہ افکار سے متاثر ہو کر ایسے مسائل کو اجتہاد کا موضوع بنانا، وقت اور صلاحیتوں کا ضیاع ہے۔ ایسا اجتہاد مکروہ ہے۔

و - اجتہاد حرام

کوئی شخص جو نہ مجتہد ہو اور نہ اجتہاد کرنے کی شرائط پوری کرتا ہے اور دینی معاملات میں بلا وجہ رائے زنی کے شوق کی وجہ سے اپنے الل ٹپ خیالات کو اجتہادی کوشش سے موسوم کرے تو یہ حرام ہے۔ جس کا مرتکب گناہ گار ہے۔ "اجتہاد" کی یہ قسم آج کل بہت عام ہے۔ جو امور قرآن و سنت میں بالکل طے ہوں ان سے انحراف یا ان کو نئے انداز میں مسائل بنا کر پیش کرنا پھر خود ساختہ حل نکال کر اسے اجتہادی کوشش کا نام دینا، یہ حرام ہے۔

مجتہد کے لئے شرائط

نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو چکا ہے۔ الہامی راہ نمائی جس قدر ضروری تھی، خالق کائنات نے اس کا اہتمام کر دیا ہے۔ آخری نبی کے بعد امت کے مسائل حل کرنے کے لئے اب آسمانوں سے نہ وحی کا نزول ہو گا، اور نہ فرشتے انسانوں کی راہ نمائی کے لئے کوئی کتاب لائیں گے۔ اب انسانوں کی فکری راہ نمائی قرآن و سنت کی تعلیمات کے اندر رہتے ہوئے خود انسانوں ہی نے کرنی ہے۔ یہ کام نہ جز وقتی ہے، اور نہ کھیل۔ یہ پیغمبرانہ فریضہ ہے جسے وہی افراد ادا کر سکتے ہیں جو اپنے قول و فعل میں کم از کم متقی ہونے کی شہرت رکھتے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کام کو سرانجام دینے والوں کے لئے بہت کڑی شرائط ہیں۔ مجتہدین نے ایسے لوگوں کے لئے کچھ شرائط کا مطالبہ

گیا ہے جس کو پورا کر کے ہی کوئی شخص مسند اجتہاد پر متمکن ہو سکتا ہے۔

یہ شرائط دو طرح کی ہیں۔ پہلی قسم کی شرائط وہ ہیں جو کسی شخص کو مجتہد بننے کے لئے اہل قرار دیتی ہیں جیسے وہ بالغ مسلمان ہو، کافر کا اجتہاد کسی شکل میں بھی قابل قبول نہیں ہے۔ عقلمند ہو، ذہین، معاملہ فہم اور صفت عدالت سے متصف ہو۔ کسی کے مجتہد بننے کے لئے یہ بنیادی اہلیت (Eligibility) ہے۔ دوسری قسم کی شرائط مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ عربی زبان کا علم

اسلامی علوم کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ان علوم کی بنیاد تک رسائی حاصل کی جائے۔ یہ بنیاد عربی زبان ہے جس میں اسلام کے دو اساسی ماخذ قانون پائے جاتے ہیں۔

شریعت اسلامی کے مخاطب یوں تو تمام انسان ہیں لیکن اولاً یہ شریعت عربوں کو بنیاد بناتے ہوئے ان کی زبان میں نازل ہوئی۔ اس لئے اس کے ماخذ ہمیشہ کے لئے عربی زبان ہی میں قرار پائے۔ لہٰذا عربی سیکھے بغیر شریعت کو سمجھنا محال ہے۔ عربی سیکھنے میں اس کے جملہ علوم، صرف، نحو، ادب، معانی، بیان، محاورے اور روزمرہ شامل ہیں۔ مجتہد وہ ہے جو اس زبان کی نزاکتوں اور باریکیوں کے ساتھ ساتھ اس کے انداز بیان کو بھی سمجھنے کا اہل ہو۔ یہ بات ایک مثال سے واضح ہو سکتی ہے۔ مسلم کی ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورج کے طلوع اور غروب ہونے کے اوقات میں نماز نہ ادا کرو۔ کیونکہ سورج (ان اوقات میں) شیطان کے دو سینگوں کے درمیان سے طلوع و غروب ہوتا ہے(۱۰)۔ یہ حدیث پڑھنے کے بعد غیر اہل زبان ہی نہیں بہت سے عام عرب اہل زبان بھی حدیث کا اصل مفہوم حاصل کرنے کی بجائے کبھی شیطان کے سینگوں کی طرف متوجہ ہو سکتے ہیں اور کبھی سورج کے طلوع و غروب کی کیفیات پر غور کرنے لگ سکتے ہیں۔ جبکہ یہ حدیث اصل میں رات کے وقت شیطان کی سیاہ کاریوں کی نشاندہی کر کے ان سے بچنے کے لئے ایک اشارہ فراہم کر رہی ہے۔

اسی طرح انتہائے سحر کا جو وقت قرآن میں مذکور ہے اس کے الفاظ میں یہ مفہوم پایا جاتا ہے کہ تم اس وقت کھانا پینا چھوڑ دو جب سیاہ دھاگا سفید سے ممیز ہونے لگے۔ اس آیت کے نازل ہونے پر ایک صحابی نے دو سیاہ و سفید دھاگے اپنے پاس رکھ لئے تاکہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد ان میں امتیاز کرنے کی کوشش کرتا رہے۔ یہ طرز عمل قرآن کے پیش نظر نہیں تھا۔

عربی زبان کے علم کے بارے میں اصول فقہ کی قدیم کتابوں میں یہ شرط نہیں ملتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دور میں عربی سیکھے بغیر اسلامی علوم میں مہارت حاصل کرنے کا کوئی تصور ہی نہیں تھا۔ یہ زبان سیکھنے ہی پر کسی بچے کو دوسرے علوم اسلامیہ سکھائے جاتے تھے۔ اس دور کے علماء کے لئے یہ تصور ہی محال تھا کہ کوئی شخص عربی سے نابلد ہو اور وہ اسلامی علوم بھی جانتا ہو۔ دور انحطاط میں جب ہر کس و ناکس نے ترجمے وغیرہ سے کام لے کر دینی امور میں عطائیت شروع کر دی تو فقہاء کو اس شرط کا ذکر کتابوں میں بھی کرنا پڑا۔

دوسری زبانوں کا ذکر ہی کیا صرف ایک انگریزی زبان ہی دیکھ لیجئے، کسی مجلس قانون کے منظور کئے ہوئے قانون میں بسا اوقات محض ایک سکتے کی تبدیلی اس کا مفہوم الٹ پلٹ سکتی ہے۔ عربی زبان تو اس قدر بلیغ اور سائنسی ہے کہ اس کی ہر جہت سے علوم کا ایک سے ایک بڑھ کر ذخیرہ تلاش کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ قرآنی علوم کا علم

قرآن کے علم سے مراد اس کا حفظ کرنا نہیں ہے، بلکہ علوم قرآن (Quranic Sciences) پر عبور حاصل کرنا ہے۔ قرآن کریم کی کم و بیش ساڑھے چھ ہزار آیات میں سے تقریباً پانچ سو کو آیات الاحکام کہا جاتا ہے۔ ان آیات میں اللہ کریم نے احکام (Commandments) نازل فرمائے ہیں۔ اگرچہ قرآن کی دوسری آیات، جن میں قصے اور مثالیں شامل ہیں، سے بھی احکام نکالے جا سکتے ہیں اور یہ بھی مجتہد کے ذمے ہے۔

نزول قرآن کے وقت عربوں کی معاشرتی حالت، اوامر و نواہی میں قرآن کے کلیات، عدم حرج، قلت تکلیف، تدریج، ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہات، شان نزول، معروف و منکر اور شریعت کے مقاصد کو جاننے کے ساتھ ساتھ خاص، عام، امر، نہی، مطلق، مقید اور ان سب کے تمام پہلوؤں کو جاننا بھی مجتہد کے ذمے ہے۔

قرآنی علوم کے یہ تمام پہلو ایک دوسرے سے باہم مربوط ہیں۔ ان میں سے ہر ایک الگ سے اجتہاد کے لئے اتنا ہی اہم ہے جتنے یہ سب مل کر اجتہاد کے لئے ضروری ہیں۔ کسی زبان میں قرآن پاک کا صرف ترجمہ پڑھنے سے اجتہاد کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔

آیات الاحکام کے بارے میں چوتھی صدی ہجری کے ایک فقیہ امام ابوبکر جصاص نے ایک بڑی مفید کتاب تالیف کی ہے(۱۱)۔ اس کتاب میں انہوں نے وہ سب آیات جمع کر دی ہیں جن میں انسانی زندگی کے بارے میں الٰہی احکام پائے جاتے ہیں۔ بعض مفسرین نے بھی آیات الاحکام کی خصوصی طور پر تفسیر کی ہے۔ ایسی ہی ایک تفسیر

ساتویں صدی ہجری کے ایک مفسر قرطبی نے ''الجامع لاحکام القرآن'' کے نام سے لکھی ہے(۱۲)۔

ایک اور تفسیر، طبری نے ''مجمع البیان فی تفسیر القرآن کے نام سے لکھی ہے، موجودہ دور میں حجاز کے استاد محمد علی صابونی نے اس طرح کی ایک نہایت ہی عمدہ کوشش تفسیر آیات الاحکام کے نام سے کی ہے(۱۳)۔ دو جلدوں میں یہ کتاب جدید سائنسی انداز اور سادہ زبان میں لکھی گئی ہے۔ اسلوب نے ایک خشک موضوع کو عام فہم اور دلچسپ بنا دیا ہے۔

۳۔ سنت کا علم

قرآنی علوم کے ساتھ مجتہد کا حدیث کے علوم سے مناسب حد تک بہرہ مند ہونا بھی ضروری ہے۔ راویوں کے احوال، ان کی عدالت، یادداشت، صحیح اور ضعیف احادیث کی پہچان، ناسخ و منسوخ احادیث سے واقفیت، صحت و ضعف کے اعتبار سے احادیث کا رد و قبول، اور عربوں کی معاشرتی زندگی کے احوال کو جاننا بھی اس کے ذمے ہے۔ محدث کی شرائط پوری کرنا مجتہد کے لئے ضروری نہیں۔ البتہ علوم الحدیث کا کم از کم اتنا علم ضرور ہو کہ وہ استخراج مسائل میں ان کی مدد سے اپنے کام کو بہترین انداز میں پایہ تکمیل تک پہنچا سکے۔

مجتہد کے لئے حافظ حدیث ہونا ضروری نہیں ہے۔ یہ کام محدث کا ہے۔ قرآن کی طرح احکامی احادیث بھی فقہاء نے مرتب حالت میں ہم تک پہنچا کر احسان عظیم کیا ہے۔ ابن حجر عسقلانی نے اس بارے میں ''بلوغ المرام'' کی تالیف کی ہے(۱۴)۔ جس کی بڑی مفید شرح سبل السلام کے نام سے ملتی ہے۔ ''نیل الاوطار شرح منتقی اخبار'' (۱۵) از محمد بن علی شوکانی کی کتاب بھی اس لحاظ سے بڑی مفید ہے۔ موجودہ دور میں فقہ السنہ کے نام سے السید السابق نے ایسی احادیث کو جدید انداز تحریر کے مطابق جمع کیا ہے(۱۶)۔

۴۔ اصول فقہ کا علم

مجتہد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اصول فقہ کا علم بھی حاصل کرے۔ اس وقت دنیا میں صرف چار فقہی مذاہب زندہ حالت میں موجود ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ تمام مقلد مسلمان انہی مسالک کے پیروکار ہیں۔ یہ مجتہد پر منحصر ہے کہ وہ کسی ایک فقہی مذہب کے اندر رہ کر اجتہاد کرے یا تمام فقہی مذاہب سے ان کے صالح عناصر کو جمع کر کے کوئی نئی رائے ظاہر کرے۔

اس وقت امت مسلمہ میں یہ رجحان ہے کہ ایمانیات اور عبادات کے ابواب میں علماء بالعموم اپنے فقہ کی

پیروی کرتے ہیں۔ معاملات اور شخصی قوانین کے بارے میں یہ رو چل پڑی ہے کہ جدید مسائل کو تمام فقہی کلیات کی روشنی میں حل کیا جائے۔ بالخصوص حکومتی سطحوں پر اسلام کے لئے کی جانے والی قانون سازی میں تمام فقہی اقوال کا رنگ دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ کوششیں بدرجہ کمال تک صحیح اسی صورت میں ہو سکتی ہیں جب تمام فقہی مذاہب کے اصولوں سے واقفیت ہو، سطحی علم کے ذریعے یا خاص فقہ کے بارے میں یک طرفہ رائے رکھ کر کوئی مفید کام کرنا ممکن نہیں۔

مجتہد کے لئے حاکم، محکوم، حکم شرعی، حکم تکلیفی، واجب، مندوب، حرام، مکروہ، مباح، رخصت، عزیمت، اہلیت کی اقسام، عوارض، عوارض کی اقسام جیسے سماوی و اکتسابی، رکن، شرط، علت، سبب، مانع، حکمت اور غرضیکہ اصول فقہ کی تمام اصطلاحات سے اس طرح واقف ہونا ضروری ہے جس طرح کسی زبان کے حروف تہجی کسی کو ازبر ہوتے ہیں۔

اصول فقہ پر امام آمدی کی "الإحکام فی اصول الأحکام" (۱۷) اور ابن حزم کی اسی نام سے کتاب قابل ذکر ہیں(۱۸)۔ موجودہ دور میں اس موضوع پر کئی اصحاب نے اسلاف کے دقیق کام کا بڑا مفید خلاصہ کئی کتابوں کی شکل میں تیار کیا ہے۔ جن کے نام گزشتہ ابواب میں دیئے جا چکے ہیں۔ اس باب کے آخر میں بھی بعض کے نام مصادر و مراجع میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

۵۔ اجماعی معاملات کا علم

قرآن و سنت کی تعلیمات کے علاوہ کئی دوسری آراء پر مسلمان اس وجہ سے عمل کر رہے ہیں کہ علماء کا ان پر اجماع ہے۔ یہ مجتہد کا فریضہ ہے کہ وہ ان مسائل کے بارے میں علم حاصل کرے تاکہ اس کے سامنے اسلامی شریعت کا خاکہ واضح شکل میں ہو۔ اسے علم ہو کہ اجماع کن حالات میں ہوا تھا، اور کب اجماع سے ہٹ کر نیا حکم جاری کیا جا سکتا ہے۔ یہ جاننا اس لئے ضروری ہے کہ اجماع بھی اسلامی قانون کے سرچشموں میں سے ایک ہے اور فقیہ کو تمام سرچشموں سے باخبر ہونا چاہیے۔ مجتہد کو یہ علم ہو کہ کسی مسئلہ میں کسی فقہی مسلک یا امت کا عمل اجماع کی وجہ سے ہے یا راجح قول کی وجہ سے۔

۶۔ شریعت کے مقاصد کا علم

وہ مقاصد جن کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ نے شریعت وضع کی، ان کا علم ہونا بھی مجتہد کی شرائط میں سے

ایک ہے- یہ مقاصد تین ہیں-

ا- ضروریات (Necessities)

حیات انسان کے لئے یہ ضروریات بنیادی لوازم ہیں- ضروریات کی پانچ قسمیں ہیں- ان میں سے ایک کی کمی بھی انسانی زندگی کے لئے باعث فساد ہے- ضروریات مندرجہ ذیل ہیں-

۱- دین
۲- انسانی جان
۳- عقل
۴- نسل انسانی
۵- مال

احکام شریعت کے نزول کا ایک مقصد ان پانچ ضروریات کی حفاظت کرنا ہے- نصوص کے گہرے مطالعہ سے یہ بات بہ آسانی سمجھی جا سکتی ہے-

ب- حاجات (Comforts)

ضروریات پوری ہونے پر بھی اس کا امکان ہے کہ انسانی زندگی میں تنگی اور مشقت کا عنصر باقی رہے جس کے ارتفاع کے لئے شارع نے حاجات کی تخلیق کی- حاجات کے بغیر انسان کی بقاء تو ممکن ہے لیکن دشواری سے- جیسے سفر میں مشقت دور کرنے کے لئے روزے و نماز میں چھوٹ دی گئی' زوجین میں صالح زندگی محال ہو جائے تو طلاق کا راستہ رکھنا' یہ حاجات ہیں جن کو پورا کرنے کے لئے شریعت کے کچھ دوسرے احکام نازل کئے گئے-

اسی طرح سزاؤں کے معاملے میں دیت عاقلہ کا تصور' اور شبہ کی صورت میں حدود کا ختم کیا جانا' یہ سب انسانوں کی مشکلات میں کمی کرنے کے لئے ہیں-

ج- تحسینیات (Luxuries)

تحسینیات سے مراد یہ ہے کہ کسی کام کو بطریق احسن سرانجام دیا جائے' باوجودیکہ اس کام کو

کرنے کے دوسرے کم تر طریقے بھی موجود ہوں۔ جیسے نماز ادا کرتے وقت عمدہ لباس کا انتخاب، فرض نمازوں کے بعد نفلوں کا اہتمام، نماز ادا کرتے وقت بڑھیا لباس زیب تن کرنا، نماز کی شرائط میں سے نہیں ہے اور نہ نفل ادا کرنا فرض کے برابر ہے لیکن یہ دونوں کام اگر کر لئے جائیں تو ان کا شمار تحسینیات میں ہوتا ہے۔

شریعت کے مقاصد کے یہ تینوں پہلو شریعت کے پیش نظر رہے ہیں۔ مجتہد کے یہ جاننا ضروری ہے کہ زندگی کا کون سا پہلو کسی خاص حالت میں شارع کی منشا کے قریب تر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات شریعت کے مقاصد کو ذہن میں رکھتے ہوئے مجتہد بعض ایسے اجتہادات کرتا ہے جو بظاہر قرآن و سنت کے احکام کے برعکس ہوتے ہیں لیکن اس کا علم مجتہد کو ہوتا ہے کہ اس اجتہاد ہی کے ذریعے شریعت کے مقاصد کا حصول ممکن ہے۔

یہ وہ ضروری شرائط ہیں جن کا کسی ماہر شریعت میں ہونا ضروری ہے۔ غور کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سب کی سب اکتسابی ہیں جو انسان کی محنت سے پوری ہو سکتی ہیں۔ لیکن ان سب سے بڑھ کر مجتہد کے لئے اس فطری اور خداداد صلاحیت کا ہونا ضروری ہے جو فطرت کسی بھی فن کے ماہر میں شروع ہی سے رکھ دیتی ہے۔ جب تک یہ اختراعی صفت کسی شخص میں موجود نہ ہو، تمام علوم، صفات اور شرائط سے متصف ہوتے ہوئے بھی وہ مجتہد نہیں بن سکتا۔

کیا اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے؟

اجتہاد کے بارے میں یہ سوال عام طور پر لوگوں کے ذہنوں میں آتا ہے۔ سوال کرنے والے بالعموم جدید تعلیم یافتہ افراد ہوتے ہیں اور اگر انہیں جواب اثبات میں ملے تو ان کے ذہن اسے قبول نہیں کرتے۔ اور نفی میں جواب دیا جائے تو یہ لوگ یا تو خود اجتہاد شروع کر دیتے ہیں یا ہر بے سروپا رائے کو اجتہاد سمجھ لیتے ہیں۔ دوسری طرف جواب دینے والے افراد عام طور پر اس بارے میں مکمل علم نہیں رکھتے۔ اسلاف سے بے پناہ عقیدت و محبت کی بنا پر وہ یہ مقدس کام کسی دوسرے سے نہیں ہوتے دیکھ سکتے۔ ان کے نزدیک اجتہاد وہی ہے جو اسلاف کر چکے ہیں اور عصر جدید میں یہ شجر ممنوعہ ہے۔ حالانکہ صورت حال اس سے یکسر مختلف ہے۔

اجتہاد کے بارے میں علم رکھنے والے افراد جانتے ہیں کہ ایک طرف تو کچھ امور میں یہ دروازہ مکمل طور پر بند ہو چکا ہے اور ایسا اس لئے نہیں ہے کہ یہ کچھ لوگوں کا پیدائشی حق تھا جو ان کے ساتھ ہی دنیا سے اٹھ گیا ہے۔

بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ نصوص شرعیہ کے بارے میں جتنے ممکنہ اجتہادات ہو سکتے تھے وہ سب کے سب ظاہر ہو چکے ہیں اور ان نصوص پر مزید اجتہاد نہیں ہو سکتا۔

مثال کے طور پر ابتدائی ارتقائی دور میں جب امر کی بحث شروع ہوئی تو یہ سوال اٹھا کہ نص میں امر کا صیغہ کیا معنی دیتا ہے۔ ایک رائے یہ تھی کہ یہ جب بھی استعمال ہو تو اس سے اباحت کے معنی حاصل ہوتے ہیں ماسوائے ان مقامات کے جہاں اس کے برعکس کوئی قرینہ ہو۔ یہ نقطہ نظر امام مالک کا تھا۔

امام ابوحنیفہ نے اس کا یہ جواب دیا کہ امر کے لغوی معنوں ہی میں اس کا جواب موجود ہے۔ لہٰذا جب بھی یہ صیغہ استعمال ہو، وجوب کے معنی میں ہوتا ہے، الایہ کہ قرائن اس کے برعکس راہ نمائی کریں۔

تیسرا اجتہاد امام شافعی کا تھا کہ امر کا صیغہ استحباب کے لئے وارد ہوتا ہے تاوقتیکہ کسی قرینے سے دوسرے مفہوم کی گنجائش ہو۔

قرآن و سنت کی تمام نصوص پر غور کر لیجئے۔ ان تینوں راستوں (Options) کے سوا چوتھا اجتہاد کرنے کی کوئی گنجائش بالکل نہیں ہے۔ لہٰذا ان تین آراء کے بعد اب نئے اجتہاد کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص اس باب میں مزید اجتہاد کرنا چاہیے تو یہ سعی لاحاصل ہے۔ یہاں اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔

اسی طرح طلاق یافتہ عورتوں کے بارے میں یہ حکم نازل ہوا کہ ایک مخصوص مدت تک اپنے آپ کو دوسرے نکاح سے روکے رکھیں۔ اس مدت کے لئے قرآن نے جو الفاظ استعمال کئے ہیں وہ "ثلاثۃ قرو" ہیں۔ احناف نے "قرو" سے حیض کا مفہوم لیا اور کہا کہ جب تک تین حیض نہ گزر جائیں، عورت دوسری شادی نہ کرے۔ شافعی مکتب فکر نے اس لفظ کے معنی طہر لئے۔ عربی لغت میں ان دونوں معنوں کی گنجائش موجود ہے۔ دونوں مکاتب فکر کے علماء نے اپنی اپنی رائے کے حق میں نقلی اور عقلی دلائل دیئے۔ یہ طے شدہ بات ہے کہ اس آیت کے الفاظ سے کوئی تیسرا مفہوم نکالا ہی نہیں جا سکتا۔ اس لئے اس حد تک اجتہاد کا دروازہ یقیناً بند ہو چکا ہے۔

دوسری قسم کے اجتہاد کا عمل کبھی رکا ہے اور نہ رک سکتا ہے۔ جس طرح بہتا ہوا پانی کسی نہ کسی طریقے سے نیا راستہ بنا کر آگے کو سفر جاری رکھتا ہے، اسی طرح امت کے علماء نے ہر دور میں بذریعہ اجتہاد مسلمانوں کی فکری رہنمائی کی ہے۔ تاہم دور جدید میں اجتہاد کی ضرورت زیادہ شدید ہو گئی ہے۔ زندگی کے تمام شعبوں اور میدانوں سے تعلق رکھنے والے علوم و فنون اس قدر ترقی کر چکے ہیں اور ان کے ظروف اس قدر تبدیل ہو چکے ہیں کہ صدر

اسلام کے عہد کے علوم و فنون اور ظروف، دور جدید کے علوم و فنون اور ظروف میں زمین آسمان کا فرق پیدا ہو چکا ہے۔ اس قدر کثرت اور تنوع کے ساتھ ایسے مسائل پیدا ہو چکے ہیں کہ قانون اسلامی کے موجود سرمایہ میں ان میں سے اکثر کا کوئی قابل اطمینان حل بظاہر موجود نہیں ہے۔

اب معیشت و تجارت نے تمام زندگی کا احاطہ کر لیا ہے اور تجارت و صنعت کے میدان میں اشیاء کے خام مال کی پیدائش سے لے کر کارخانے میں تیار مال کے صارفین کے ہاتھوں میں پہنچنے تک کے مسائل، ایک سادہ سے تجارتی عمل سے لے کر عالمگیر پیمانے پر تجارتی سرگرمیوں سے متعلق ہزاروں مسائل اور یک شخصی اداروں سے لے کر لاکھوں حصہ داروں کے باہمی حقوق و فرائض کے مسائل پیدا ہو چکے ہیں۔ فرضی اور قانونی تجارتی اداروں کی حصص کے ذریعے تجارت میں شرکت کی پیچ در پیچ صورتیں اور مسائل، مالی دستاویزات کی نئی نئی صورتیں، تجارت میں رابطوں کی جدید سہولتیں، ہر شعبہ زندگی میں سرایت کیا ہوا بیمہ کا کاروبار، ربا کی کئی باہم مماثل اور پیچیدہ شکلیں، تجارتی جوئے کی مختلف صورتیں، تسعیر اور عدم تسعیر کی پیچیدگیاں، تجارت کی بے شمار دام ہمرنگ زمین صورتیں، اور تجارتی و صنعتی میدان کے دیگر کئی مسائل حل طلب ہیں جن کو صرف اجتہاد کے ذریعے ہی حل کیا جا سکتا ہے۔

سیاسی امور میں اولی الامر کا ادارہ متعدد خود مختار، لیکن ایک دوسرے پر انحصار اور اثر رکھنے والے اجزاء (عدلیہ، انتظامیہ، مقننہ، فوج وغیرہ) میں تقسیم ہو چکا ہے اور ان اجزاء کے باہمی تعاون اور تصادم سے بے شمار داخلی و خارجی مسائل پیدا ہو چکے ہیں جن کو صرف اجتہاد ہی سے حل کیا جا سکتا ہے۔

عام طور پر تصور کیا جاتا ہے کہ عبادات میں اب اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں رہی لیکن اس شعبے میں بھی نئے مسائل پیدا ہو چکے ہیں، مثلاً زمین کے بعض علاقوں میں اٹھارہ گھنٹے سے لے کر چھ ماہ تک طویل دنوں اور راتوں میں نمازوں کے اوقات اور روزوں کے دورانیے کے مسائل، ہوائی جہازوں، خلائی جہازوں اور آبدوزوں میں نماز اور روزے کے مسائل، حج میں قربانی کے گوشت کا مصرف، حاجیوں کی بے پناہ بھیڑ میں ارکان حج کی ناکام ادائیگی وغیرہ یہ سب مسائل اجتہادی فیصلوں کے انتظار میں لاینحل پڑے ہیں۔

معاشرتی شعبے میں نئے مسائل کی گونا گونی خطرناک حد تک شدید ہے۔ خاندانی نظام کا شیرازہ بکھر رہا ہے۔ ازدواجی مسائل زیادہ متنوع گھمبیر اور الم انگیز ہو چکے ہیں۔ طلاق کی وجوہ اور شرح بڑھ چکی ہے۔ خواتین اور مردوں

کے درمیان تقسیم کار کا نظام ٹوٹ رہا ہے۔ نان و نفقہ اور دیگر حقوق و فرائض متغیر ہو رہے ہیں۔ خواتین کی ملازمت، پردے کی حدود، صنعتی ماحول کے باعث تیز اور مسلسل انسانی حرکات کی ضرورت کے نتیجے میں عورتوں اور مردوں کے لباس کی صورتیں اور اختصار، رسوم و رواجات کی کثرت و تنوع کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل خصوصاً ریڈیو، ٹیلی ویژن کی مردوں و عورتوں کی مخلوط مجالس اور عریاں مناظر سے لے کر گھروں کے اندر جلوہ نمائی کے مسائل، یہ اور اس طرح کے بے شمار معاشرتی مسائل کب سے انتہائی بے تابی کے ساتھ اجتہادی فیصلوں کا انتظار کر رہے ہیں۔

بعض اجتہادات انسانی زندگی میں سفر کا مقام رکھتے ہیں جس سے مناسب استفادے کے بعد انسانی تہذیب کے دھارے کا بہاؤ آگے کی طرف رہتا ہے۔ اس دھارے کو واپس پیچھے لے جانا کسی کے لئے ممکن نہیں ہوتا۔ لاؤڈ اسپیکر کے متعارف ہوتے وقت جب یہ سوال اٹھا کہ اس کے ذریعے نماز ادا کرنا کیسا ہے تو اس وقت کے علماء نے اپنے اجتہاد کے ذریعے اس کے جواز میں رائے دی۔ اس لئے اب یہ اجماع امت ہے کہ اس کے ذریعے اذان، اقامت، نماز باجماعت اور خطبہ جمعہ جائز ہیں۔ اس بارے میں اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے اور مزید کسی اجتہاد کی کوشش وقت اور صلاحیتوں کا ضیاع ہے۔

عام طور یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اجتہاد کی یہ لازمی شرائط موجودہ دور میں ممکن الحصول نہیں ہیں۔ یہ اعتراض بھی کم فہمی کا نتیجہ ہے۔ جیسا کہ ابھی گزشتہ سطور میں یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ اجتہاد کی کئی شکلیں ہیں جن میں سے ہر ایک کے لئے مختلف صلاحیتیں درکار ہوتی ہیں۔ ایک بہت بڑا بحری جنگی جہاز بنانا کسی ایک شخص کے بس میں نہیں بلکہ اس کے لئے مختلف صلاحیتوں اور فنون کے ماہر افراد کی ایک جماعت درکار ہے۔ جو کسی ایک شخص کی ہدایات پر عمل کرتے ہیں۔ بالکل اسی طرح موجودہ دور میں قانون سازی کسی ایک شخص کے ذریعے نہیں ہو سکتی۔ بلکہ کسی بھی قانون کے حتمی مسودے میں درجنوں افراد کی آراء شامل ہوتی ہیں۔ اگرچہ اساسی طور پر اس قانون کے پس پشت کسی ایک شخص کی فکر کارفرما ہوتی ہے۔ موجودہ دور میں تخصص (Specialization) کی وجہ سے اجتہاد بھی کم و بیش یہی حیثیت رکھتا ہے۔ اس دور میں مجتہدانہ صلاحیتیں اب کئی شاخوں میں بٹ کر اپنے اپنے شعبوں میں راہ نمائی کرتی ہیں۔ اس لئے مختلف شعبوں کے لئے مختلف اجتہادی خصائص ناگزیر ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ وقت کی ضرورت اب یہ نہیں ہے کہ تمام طرح کے طبقات مجتہدین اب بھی ہوں اور

ہر کام کا آغاز صفر سے ہو۔ جن لوگوں نے اصول و کلیات بنائے وہ "مجتہد مطلق مستقل" کہلائے۔ ان کے اصول اتنے جامع اور متنوع ہیں کہ اب کسی "مجتہد مطلق مستقل" کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔ جس طرح کسی زمانے میں مقناطیسی کشش کا قانون طبیعات کے ایک ماہر نے دریافت کیا اور اس دریافت کے بعد' بعد میں آنے والوں نے اس سے اگلے قدم سے اپنے سفر کو جاری رکھا۔ کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں اس کشش کا کوئی نیا قانون دریافت کروں گا۔ کیونکہ مقناطیسی کشش کا وہی ایک قانون ہے۔ اسی طرح فقہ کے یہ اصول و کلیات بھی اپنی مستقل حیثیت رکھتے ہیں۔ ایک وقت میں ایک ہی کلیہ درست ہے جس کے دریافت ہونے کے بعد مجتہد کا اس کی دریافت کی حد تک کام ختم ہے۔ پھر بھی کسی ایک فقہ کے اصول کسی عالم دین کی تسلی کے لئے ناکافی ہوں تو دوسرے امام کے کلیات بعض شرائط کے ساتھ اختیار کرنا جائز ہے۔ ایک اصول سے تشفی نہ ہو تو ایک سے زائد اصول کی مدد سے راہ نکالی جا سکتی ہے۔ لیکن نئے اصول وضع کرنا اب نہ ممکن ہے اور نہ اس کی ضرورت ہے۔ کوئی شخص یہ کام شروع کر بھی دے تو یہ بے مقصد مشق کے سوا کچھ نہیں ہے۔

یہ تصور کوئی عجیب و غریب نہیں ہے۔ قانون دان حضرات اچھی طرح جانتے ہیں کہ انگریزی قانون میں (Legal Maxims) صدیوں سے کامن لا (Common Law) کی بنیاد ہیں اور آج بھی یہ اتنے ہی اہم ہیں جتنے قرنوں پہلے تھے۔ بلکہ وقت اور تجربے کی بھٹی میں پک کر انہوں نے موجودہ شکل اختیار کی ہے۔ آج کوئی ماہر قانون یہ خیال ذہن میں نہیں لاتا کہ فلاں (Maxim) از کار رفتہ ہو چکا ہے۔ میں اس کے مقابلہ میں کوئی نیا قاعدہ وضع کرتا ہوں۔ یہی صورت حال فقہی اصول و کلیات کے بارے میں ہے۔

اسلاف کے اجتہادات فقہ کی کتابوں میں قیمتی موتیوں کی طرح بکھرے پڑے ہیں۔ فقہی اصول و کلیات اور ان کی روشنی میں فقہاء کی آراء ہمارے سامنے بنی بنائی عالی شان عمارت کی شکل میں موجود ہیں۔ ان بزرگوں نے اپنی توانائیاں صرف کر کے ہمارے کام کو بہت آسان کر دیا ہے۔ آج کے دور میں کسی بھی نئے مسئلے کو حل کرنے کے لئے ہمارے پاس بے شمار وسائل ہیں۔ اصول فقہ اور اسلاف کی آراء نہ قرآن و سنت کا درجہ رکھتی ہیں۔ اور نہ ان کے بغیر علمی اور اجتہادی کام آسان ہے۔ کسی شخص کا یہ کہنا تو درست ہے کہ اسلامی شریعت میں قرآن و سنت ہی اصل ہیں لیکن یہ بالکل درست نہیں ہے کہ فقہاء کی آراء کے بغیر کوئی شخص کسی بھی میدان میں اجتہاد کر سکتا ہے۔ ایسے شخص کا علم کی دنیا سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

جب بھی کوئی شخص علوم اسلامیہ کا علم حاصل کرنا چاہے فقہائے امت کے علمی کام سے آگہی حاصل کئے بغیر آگے چلنا اس کے لئے آسان نہیں ہے۔ اور یہ اصول صرف علوم اسلامیہ ہی میں نہیں، کسی بھی علم کا جائزہ لیجئے ماضی سے رشتہ کاٹ کر مستقبل کی طرف چلنا ممکن ہی نہیں۔

مزید مطالعہ کے لئے

اس باب میں اجتہاد کے بعض اہم پہلوؤں کا تعارف کرایا گیا ہے۔ تفصیل جاننے کے خواہش مند حضرات مندرجہ ذیل کتب سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

۱۔ جامع الاصول، ڈاکٹر احمد حسن، مطبوعہ لاہور

۲۔ اجتہاد، محمد تقی امینی، مطبوعہ کراچی

۳۔ تفہیمات، حصہ سوم، مقالہ "اسلام میں قانون سازی کے حدود و ماخذ" سید ابوالاعلی مودودی، مطبوعہ لاہور۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ التفتازانی: التلویح علی التوضیح، قاہرہ، مکتبہ و مطبعہ محمد علی صبیح واولادہ، ۱۹۵۷ء، جلد اول، ص ۱۱۷۔

۲۔ شرح الاسنوی، للمنہاج، ۲/۲۳۲، بحوالہ الزحیلی، وہبہ، ڈاکٹر، اصول الفقہ الاسلامی، بیروت، دار الفکر، ۱۹۸۶ء، ج ۲، ص ۱۰۳۸۔

۳۔ الآمدی: الاحکام فی اصول الاحکام، بیروت، دار الکتاب العربی، ۱۹۸۶ء، ج ۴، ص ۱۶۹۔

۴۔ الغزالی: المستصفٰی من علم اصول، قم (ایران) منشورات الرضی، ۱۳۲۴ھ، ص ۳۵۰۔

۵۔ احمد حسن، ڈاکٹر: جامع الاصول، لاہور، مطبع مجتبائی، ۱۹۸۶ء، ص ۶۶۲

۶۔ الآمدی: حوالہ ایضا" ج ۴، ص ۱۷۷۔

۷۔ ابن تیمیہ: مجموع فتاویٰ، ریاض، مطابع الریاض، ۱۳۸۲ھ، ج ۲۰، ص ۱۰۔

۸۔ ابن ماجہ: السنن، ابواب النکاح، باب لاطلاق قبل النکاح۔

۹ - الترمذی : الجامع، ابواب الزکوۃ۔
۱۰ - مسلم : صحیح مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین۔
۱۱ - الجصاص : احکام القرآن، بیروت، دارا لفکر۔
۱۲ - القرطبی : الجامع لاحکام القرآن، بیروت، داراحیاء التراث العربی۔
۱۳ - الصابونی : روائع البیان تفسیر آیات الاحکام، دمشق، مکتبہ الغزالی، ۱۹۸۱ء۔
۱۴ - العسقلانی : سبل السلام شرح بلوغ المرام، بیروت، دارا لفکر۔
۱۵ - الشوکانی : نیل الاوطار، قاہرہ، مکتبہ الدعوہ الاسلامیہ، شباب الازہر۔
۱۶ - السید السابق : فقہ السنہ، قطر، دارا لثقافہ، ۱۹۸۵ء۔
۱۷ - الآمدی : الاحکام فی اصول الاحکام، حوالہ ایضاً۔
۱۸ - ابن حزم : الاحکام فی اصول الاحکام، بیروت، منشورات دارالافاق الجدیدہ، ۱۹۸۰ء۔

مصادر و مراجع

۱ - الآمدی : علی بن محمد (۶۳۱ھ) "الاحکام فی اصول الاحکام" بیروت، دارالکتاب العربی، ۱۹۸۶ء، جلد دوم۔
۲ - ابن تیمیہ : تقی الدین احمد بن عبدالحلیم، (۷۲۸ھ) "مجموع فتاوی" ریاض، مطابع الریاض، ۱۳۸۲ھ۔
۳ - ابن حزم : ابو محمد علی بن حزم الظاہری (۴۵۶ھ) "الاحکام فی اصول الاحکام" بیروت، منشورات دارالآفاق الجدیدہ، ۱۹۸۰ء۔
۴ - ابن ماجہ : ابوعبداللہ محمد بن یزید (۲۷۵ھ) "السنن" استنبول، دارالدعوۃ، ۱۴۰۱ھ۔
۵ - احمد حسن، ڈاکٹر (۱۹۹۶ء): جامع الاصول، لاہور، مطبع مجتبائی، ۱۹۸۶ء۔
۶ - الترمذی : ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ (۲۷۹ھ) "الجامع" استنبول، دارالدعوۃ، ۱۴۰۱ھ۔
۷ - التفتازانی : سعدالدین مسعود ابن عمر (۷۹۲ھ) التلویح علی التوضیح" قاہرہ، مکتبہ و مطبع محمد علی صبیح واولادہ، ۱۹۵۷ء۔

۸ ـ الزحیلی، وہبہ، ڈاکٹر: "اصول الفقہ الاسلامی" بیروت، دارالفکر، ۱۹۸۶ء۔
۹ ـ الغزالی: ابوحامد محمد بن محمد (۵۰۵ھ)، "المستصفی من علم اصول" قم (ایران)، منشورات الرضی، ۱۳۲۴ھ۔
۱۰ ـ مسلم: ابوالحسین مسلم بن الحجاج (۲۶۱ھ) "صحیح مسلم" استنبول، دارالدعوۃ، ۱۴۰۱ھ۔

''مطالعہ اسلامی قانون'' کے مطبوعہ مضامین

ابتدائی کورس

۱۔	اسلامی قانون کے ماخذ، ماخذ اوّل۔ قرآن
۲۔	اسلامی قانون کے ماخذ، ماخذ دوم۔ سنت
۳۔	اسلامی قانون کے ماخذ، ماخذ سوم۔ اجماع
۴۔	اسلامی قانون کے ماخذ، ماخذ چہارم۔ قیاس
۵۔	اجتہاد کی تعریف
۶۔	اسلام میں قانون سازی کا تصور اور طریق کار
۷۔	دینی مسائل میں اختلافات، اسباب اور ان کا حل
۸۔	اسلام کا قانون نکاح وطلاق
۹۔	اسلام کا قانون وراثت ووصیت
۱۰۔	اسلام میں عورت کی استثنائی حیثیت اور اس کی وجوہ
۱۱۔	اسلام کا تصور ملکیت ومال
۱۲۔	اسلام کا تصور معاہدہ
۱۳۔	اسلام میں شراکتی کاروبار کا تصور
۱۴۔	مزارعت اور مساقات
۱۵۔	اسلام کا نظام محاصل
۱۶۔	اسلام کا نظام مصارف
۱۷۔	اسلام میں عدل وقضاء کا تصور
۱۸۔	اسلام کا نظام احتساب
۱۹۔	اسلامی نظام عدل وقضاء میں شہادت کا تصور
۲۰۔	اسلام کا تصور جرم وسزا
۲۱۔	اسلام کا فوجداری قانون
۲۲۔	اسلام کا دستوری قانون
۲۳۔	اسلام کا قانون بین الممالک
۲۴۔	اسلام میں ربا کی حرمت اور بلاسود سرمایہ کاری

اختصاصی مطالعہ: اصول فقہ کورس

۱۔	علم اصولِ فقہ: ایک تعارف (حصہ اوّل)
۲۔	علم اصولِ فقہ: ایک تعارف (حصہ دوم)
۳۔	قرآن
۴۔	سنت
۵۔	سنّت کی حجیت کا جائزہ
۶۔	اجماع
۷۔	قیاس
۸۔	شرائع سابقہ۔ اقوالِ صحابہؓ۔ استصلاح
۹۔	استحسان۔ استصحاب۔ استدلال
۱۰۔	عُرف اور سدّ ذرائع
۱۱۔	حکمِ شرعی۔۱ (حکمِ تکلیفی)
۱۲۔	حکمِ شرعی۔۲ (حکمِ وضعی)
۱۳۔	خاص
۱۴۔	عام۔ مشترک۔ حقیقت ومجاز۔ صریح وکنایہ
۱۵۔	دلالات
۱۶۔	اسلام کا نظریۂ اجتہاد
۱۷۔	مناہج واسالیبِ اجتہاد
۱۸۔	تقنین (اسلامی احکام کی ضابطہ بندی)
۱۹۔	پاکستان میں قوانین کو اسلامیانے کا عمل
۲۰۔	فقہ حنفی وفقہ مالکی
۲۱۔	فقہ شافعی وفقہ حنبلی
۲۲۔	فقہ جعفری وفقہ ظاہری
۲۳۔	قواعد کلّیہ (حصہ اوّل)
۲۴۔	قواعد کلّیہ (حصہ دوم)